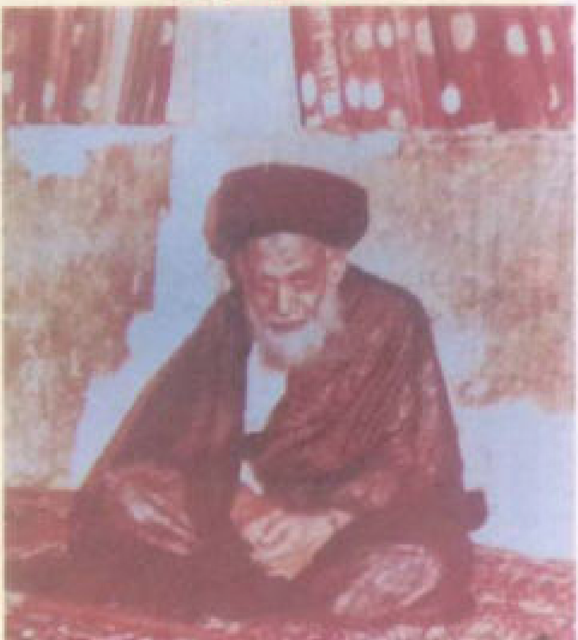
حیات

فقیہِ عصر حضرت آیتُ اللہ العظمیٰ السیّد محمد حسن رضوی مجتہد
طابَ ثراہٗ



ازقلم
حجۃ الاسلام سید رضی جعفر نقوی مجتہد

بسمه تعالى

هدية متواضعة الى فضيلة العلامة

السيد علي كرار النقوي دامت توفيقاته

المؤلف

السيد ابن الحسن الرضوي

حیات

فقیہ عصر حضرت آیت اللہ العظمیٰ السید محمد حسن رضوی مجتہد
طاب ثراہ

از قلم
حجۃ الاسلام سید رضی جعفر نقوی مجتہد

نام کتاب	حیات فقیہ عصر آیت اللہ العظمیٰ السید محمد حسن مجتہد
مؤلف	حجۃ الاسلام علامہ رضی جعفر مجتہد
تعداد اشاعت	۵۰۰
تاریخ اشاعت	مارچ ۱۹۹۳ء
کتابت	سید جعفر زیدی
مطبع	ٹیکنیکل پرنٹرز۔ کراچی
	فون: ۶۳۲۱۵۲۱

فہرستِ کتاب



عکس آیت اللہ العظمیٰ فقیہہ عصر مولانا سید محمد حسن رضوی مجتہد العصر طاب ثراہ



سرکار آیۃ اللہ اپنے دو فرزندوں کے ہمراہ





سرکار آیت اللہ العظمیٰ مولانا سید محمد حسن مجتہد کربلائے معلّیٰ میں ایک مجلس سے خطاب فرما رہے ہیں





سرکار آیت اللہ العظمیٰ مولانا سید محمد حسن مجتہد کربلائے معلّیٰ میں ایک مجلس سے خطاب فرما رہے ہیں

بسم الله الرحمن الرحيم

السلام عليك يا صاحب العصر والزمان

نعزيك

يا بقية الله في أرضه وحجته على عباده

بوفاة

الفقيه الكبير والعالم الجليل آية الله

السيد محمد حسن الرضوي

تغمده الله برحمته واسكنه الفسيح من جنته

فقد كان

لدينك خادماً ولرايتك رافعاً ولعلومك ناشراً ولامرك محيياً وناصراً ومحامياً ــ وقد بذل مهجته في سبيله حتى لقي رضوانه قد عاش حميداً ومات سعيداً

خاندانی وجاہت

اِس میں کوئی شک نہیں کہ دینِ اسلام میں انسان کی اصل عظمت، اُس کی سیرت و کردار سے وابستہ ہے جیسا کہ سورۂ مبارکہ الحجرات میں پروردگارِ عالم کا ارشاد ہے کہ:

" یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ "

(الحجرات ۴۹ - آیت ۱۳)

(اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور ہم نے تمہارے لیے برادریاں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایکدوسرے کی شناخت کر سکو۔ البتہ (یاد رکھو کہ) (پروردگارِ عالم) اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ معزز وہ ہے جس کے یہاں سب سے زیادہ تقویٰ ہو)

پھر کیا کہنا اُس ذات کی عظمت وجلالت کا جس کے خاندان کو معاشرے کے اندر بے مثال وجاہت بھی حاصل ہو اور جس کے سلسلۂ نسب سے وابستہ تمام شخصیتیں علم وعمل اور تقویٰ وپرہیزگاری کا شاہکار بھی ہوں۔

حضرت آیت اللہ آقائے سید حسن رضوی رحمۃ اللہ علیہ خاندانی اعتبار سے کس عظیم مرتبے پر فائز ہیں اِس کا مختصر اندازہ آپ کے جدِ بزرگوار اور آپ کے والد علام کے حالاتِ زندگی کے مطالعے سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

جد بزرگوار :

آپ کے جد بزرگوار حجۃ الاسلام مولانا سید ابوالحسن صاحب اعلی اللہ مقامہٗ جو "سرکار اَبُّو صاحب" کے نام سے مشہور تھے فقہ و اصول کے نہایت جلیل القدر عالم، تقدّس وپرہیزگاری کا مجسمہ، زہد وپارسائی کا مرقّع اور مرجعِ شیعیانِ برصغیر کی حیثیت کے مالک تھے۔

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی مرحوم اپنی مشہور معروف اور گراں بہا تالیف "مطلعِ انوار" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"آپ جمعہ کے دن ۱۷ ربیع الاول سنہ ۱۲۶۰ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور آپ کی تاریخِ ولادت کے لحاظ سے تاریخی نام

"خورشید علم"

قرار پایا ——— اُنھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی مرتبت جناب آیت اللہ سیّد علی شاہ کشمیری اعلی اللہ مقامہٗ سے حاصل کی، آپ کے والد خصوصی توجہ سے عبادت و ریاضت کی بھی تربیت فرماتے تھے، مثلاً جب نمازِ شب کے لیے بیدار ہوتے تو اپنے فرزند کو مطالعہ کے لیے اُٹھاتے تھے، نمازِ تہجّد سے فارغ ہو کر ایک سبق پڑھاتے تھے۔

(افسوس۔ آپ ایسے شفیق باپ کے زیرِ سایہ بہت کم عرصے تک زندگی گذار سکے اور جب) آپ کا سنِ مبارک صرف ۹ سال کا تھا آپ کے والد علام نے رحلت فرمائی، اس لیے دوسرے اساتذہ کی طرف رجوع کیا اور روز و شب اتنی زیادہ محنت کی کہ صرف چودہ سال کی عمر میں کمال کو پہونچ گئے۔

عقائد و کلام کی نہایت مبسوط کتاب "عماد الاسلام"

آپ نے جناب سلطان العلماء سید محمد صاحب طاب ثراہ سے اور فقہ و اصول کی کتابیں ممتاز العلماء عالی جناب سید محمد تقی صاحب اعلی اللہ مقامہٗ سے پڑھیں۔

دورانِ درس و مطالعہ ذہانت اور قوتِ استعداد کا یہ عالم تھا کہ اکثر بحث میں دو دو دن صرف ہو جاتے اور اساتذہ کرام آپ کے سوالات کا تسلی بخش جواب دینے کے لیے خصوصی تیاری کرتے تھے۔

اسی کے ساتھ عالمِ شباب سے ہی آپ زُہد و تقویٰ میں بے مثال تقریر و درس اور وعظ و نصیحت میں باا‌ثر خطیب اور فقہ و اصول میں کئی استدلالی رسالوں کے مؤلف تھے جن کی آپ کے استاذ عالی وقار سرکار ممتاز العلماء نے بہت تعریف کی ہے۔

عالی جناب مفتی محمد عباس صاحب اعلی اللہ مقامہٗ بھی اپنے ان شاگردِ خاص پر نازاں تھے، آخر میں جب کلکتے جانے لگے تھے تو لکھنؤ آکر خاص طور سے اپنے اِن شاگرد محترم سے مل کر بہت خوش ہوئے تھے۔

محترم جناب ابّو صاحب اعلی اللہ مقامہٗ جب اپنے

استاد محترم جناب مفتی صاحب طاب ثراہ کے پاس بیٹھتے تو لوگ دونوں بزرگوں کو بے حد احترام سے دیکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ان دونوں حضرات کی مجلس بڑی نورانی ہوتی ہے

---- وہ ----

(آپ ایسی خداداد صلاحیت کے مالک تھے کہ نہایت مختصر عرصے میں انتہائی اعلیٰ کمالات تک پہونچ گئے یہانتک کہ صرف) بائیس سال کی عمر میں یہ عالم تھا کہ جب جناب مفتی صاحب اپنی مشہور و معروف کتاب "شریعۃ غرّاء"[1] پر نظرِ ثانی کرنے بیٹھے تو بہت سے اہلِ علم کو شریکِ مشورہ فرمایا، اُن شرکائے مشورہ میں سے جس کی نظر میں جو بات آتی وہ بلا تأمل عرض کردیتا تھا، لیکن جناب انؔو صاحب کا یہ دستور تھا کہ (اگر کوئی عبارت درست نظر نہ آتی تو نہ اُس کی تائید فرماتے اور نہ اختلاف ظاہر کرتے بلکہ خاموش رہتے اور) تأمل فرماتے تھے جسے جناب مفتی صاحب سمجھ جاتے تھے اور پھر تأمل کی وجہ دریافت کیے

---

[1] :- "شریعۃ غرّاء" عربی زبان میں جناب مفتی محمد عباس صاحب مرحوم کی استدلالی کتاب ہے جو عربی ادب کی کتابوں میں شمار کیے جانے کے لائق ہے یہ کتاب مفتی صاحب کی زندگی ہی میں مطبعِ صبحِ صادق عظیم آباد" سے شائع ہو چکی تھی۔

بغیر ہی وہ عبارت قلمزد فرما دیتے تھے (کیونکہ اُن کو یقین تھا کہ جناب ابُّو صاحب کے تأمّل کا مطلب یہ ہے کہ عبارت یا استدلال میں کوئی نقص ہے۔)

(اسی کے ساتھ آپ انتہائی مقدّس و پرہیزگار تھے، زُہد و تقویٰ کی بنا پر تمام معاملات میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے یہاں تک منقول ہے کہ) : قبل بلوغ آپ کے پاس چار سو روپے تھے (جو اُس زمانے میں خاصی رقم تھی) بعدِ بلوغ کسی نے وہ رقم بطور قرض لے لی اور واپس نہ کی، لیکن چونکہ آپ تمام معاملات میں نہایت محتاط تھے اِس لیے احتمالِ وجوب کی بنا پر ۱۲۸۳ھ میں حج کے لیے روانہ ہو گئے (تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حج واجب ہو گیا ہو اور اُس کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی یا تاخیر ہو جائے)۔

(حضرات اہلِ بیت طاہرین علیہم السّلام اور عزاداریٔ حضرت سیّد الشّہداء سے ایسا والہانہ لگاؤ تھا کہ ذی الحجہ کے مہینے ہی سے آپ پر رنج و غم کی کیفیّت طاری ہو جاتی تھی، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ) ذی الحجہ کا مہینہ تھا، آپ درس دینے میں مصروف تھے اور گھر کے ملازمین سامانِ عزا اور استقبالِ محرّم کا انتظام

کر رہے تھے کہ آپ کی نظر کسی چیز پر پڑ گئی (جس سے واقعاتِ کربلا تصوّر میں آ گئے) آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور یہ عالم ہوا جیسے کسی سے کوئی قیمتی چیز چھن جائے، کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ:

"ڈرتا ہوں دل میں کوئی خیال منافیٔ اخلاص نہ آ جائے۔"

"سیفِ صارم" نامی کتاب میں آپ کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہوا ہے کہ:

"شدتِ احتیاط سے شاید ہی کسی مسئلے پر دستخط فرماتے تھے۔"

"

دیگر صفاتِ حسنہ کے علاوہ، آپ طلاب پر باپ سے زیادہ مہربان تھے (ان کی ضروریات کا خاص خیال رکھتے تھے کبھی کبھی چھوٹے بڑے طالبِ علم کو کسی قسم کی تکلیف پہونچے تو پریشان ہو جاتے تھے، غربائے مومنین کا بھی پورا احترام کرتے حاجت مند کی سفارش کرنے میں عذر نہ کرتے ـــ البتہ ہر حال میں زُہد و پارسائی کو ملحوظ رکھتے تھے اور اشارہ و کنایہ کے طور پر بھی کوئی شخص کسی کی غیبت کرے تو فوراً روک دیتے تھے۔

ماہِ رمضان المبارک اور عید الفطر کے لیے الٰہ آباد تشریف

لے جاتے تھے وہاں جمعہ و جماعت کی امامت فرماتے تھے اور موعظہ بھی فرماتے تھے جمعہ کی نماز کے بعد آپ کے یہاں مجلسِ عزائے سید الشہداء علیہ السّلام منعقد ہوتی تھی اور عموماً اُس مجلسِ عزا میں آپ اس قدر گریہ فرماتے تھے کہ دیکھنے والوں پر بھی رقت طاری ہو جاتی تھی۔

عبادت و ریاضت، اور نیکی کے کاموں کی طرف اسقدر زیادہ رغبت تھی کہ شبِ جمعہ امام بارگاہ غفراں مآب میں فاتحہ خوانی کے لیے تشریف لے جاتے اور طلّاب کرام کو نہایت شیریں انداز میں فاتحہ خوانی کی طرف توجہ دلاتے تھے۔

آپ کے اوصافِ حمیدہ، حسنِ سیرت، اخلاق، گفتار، رفتار، کردار، پاکیزگیٔ نفس، زہد، تقویٰ، تقدس، پارسائی، شیریں زبانی، امانت، دیانت، صداقت، عدالت اور دیگر اوصافِ حمیدہ کے پیشِ نظر اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ آپ انسانی صورت میں گویا فرشتہ تھے، اور اخلاق، ایمان اخلاص، عملِ صالح، علم، تقویٰ اور فکر و بصیرت میں اوّلین

اصحاب ائمہؑ کے مشابہ تھے۔

---- ۱۰ ----

آپ کے حالات قلمبند کرتے ہوئے علامہ کنتوری علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ: "آپ نے ۱۲۸۹ھ کے قریب مدرسہ ایمانیہ کی بنیاد ڈالی، لیکن وہ چند ماہ بعد بند ہوگیا۔ تو آپ اس قدر کبیدہ خاطر ہوئے کہ ترکِ وطن پر آمادہ ہو گئے" (لیکن پھر خیال آیا کہ ایسی معمولی بات پر وطن چھوڑنا کچھ مناسب نہیں ہے۔ دین و مذہب کے کام میں ہمیشہ ہی مختلف رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ابتداء میں ہر قسم کی دشواریاں پیش آتی ہیں، اس لیے اگر ایک منصوبہ ناکام ہوجائے تو اس سے اسقدر دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے کہ ملک سے ہجرت ہی کرجائیں، بلکہ دوسری جگہ ازسرِنو سلسلہ شروع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ چنانچہ آپ نے ایک بار پھر عزمِ نو کے ساتھ دینی مدارس کی تاسیس کی طرف قدم بڑھائے اور پیش آنے والی اَن گنت مشکلات کے باوجود) ہمت نہ ہارے اور کئی مدارس قائم کردیے جن میں سے دو مدرسے اب تک برقرار ہیں۔ ایک مرزا محمد عباس خاں کی تائید سے قائم ہونے والا مدرسہ جو "مدرسہ ناظمیہ" کہا جاتا ہے[۱]، اور

---

[۱] جس کا دوسرا نام مدرسہ (مشارع الشرائع) ہے اس نام کی مہر مکتبہ سرکار باقر العلوم (لکھنؤ) میں موجود ہے۔

جناب ابّو صاحب طاب ثراہ نے اپنی زندگی میں ہی یہ دینی مدرسہ جناب نجم العلماء کے سپرد فرمادیا تھا۔ دوسرا مدرسہ جو وقف حسین آباد کے تعاون سے ۱۸۹۴ء میں قائم ہوا تھا جس کا نام "سلطان المدارس" ہے، یہ دونوں مدرسے اب تک جاری ہیں (جن سے اب تک ہزاروں تشنگانِ علم کسبِ فیض کرتے رہے ہیں، اور ان دونوں عظیم الشان درسگاہوں سے فارغ التحصیل ہونے والے علماء و محققین نے دنیا بھر میں علم و دانش کے چراغ روشن کیے۔)

---- ۷ ----

آپ فقہ و اصول کا درس اس قدر اعلیٰ پیمانے پر دیتے تھے کہ صاحبانِ علم و دانش کو نجفِ اشرف اور کربلائے معلّٰی کے دُروس کا لطف محسوس ہوتا تھا۔

آپ سے سیکڑوں اہلِ علم نے اکتسابِ فیض کیا جن میں سے مندرجہ ذیل حضرات اپنے اپنے زمانے کے نہایت ہی جید اور مستند عالمِ دین ثابت ہوئے:

عالیجناب علامہ سید مرتضیٰ صاحب کشمیری اعلی اللہ مقامہٗ

" مولانا محمد صادق صاحب (دبھوا ضلع سارن بہار)

عالیجناب نجم العلماء مولانا نجم الحسن صاحب طاب ثراہ (لکھنؤ)

" ظہیر العلماء مولانا سید عابد حسین صاحب (بھیک پور۔ بہار)

" مولانا نظیر حسن صاحب مرحوم (" ")

" مولانا سبط حسین صاحب کربلائی جونپوری اجتہادی۔

" مولانا سید محمد کاظم صاحب مرحوم (کشمیر)

" مولانا سید مہدی حسن صاحب مرحوم

" مولانا سید احفاد حسن صاحب (غازی پور)

" سید محمد علی صاحب مرحوم، اور ان کے علاوہ بہت سے مشاہیر جو پورے برِصغیر کے طول و عرض پر پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اسی کے ساتھ آپ ایک بلند پایہ محقق و مصنف بھی تھے اور آپ نے مختلف موضوعات پر نہایت گراں قدر تالیفات سے قوم و ملت کو فیضیاب فرمایا جن میں سے چند کے نام یہ ہیں:

— "شرح فصول" تا بحث نبوت

— "اربعین و شرح اربعین"

— "درثمین" تعلیقات شرح اربعین۔ شیخ بہائی

—— حواشی قوانین الاصول ۔

—— حواشی بعض مقامات فصول ۔

—— تعلیقات منہج الیقین (علامہ حلیؒ)

—— رسالہ در تحقیق مسئلہ نجاست آبِ قلیل ۔

—— رسالہ تحقیق حکم تغیّر تقدیری ۔

—— رسالہ حُرمتِ نظر بر زنِ اجنبی ۔

—— رؤیتِ ہلال قبل از زوال ۔

—— رسالہ در حکم تخلّل بین الایجاب والقبول ۔

—— خیرُ الزّادُ ــــ عقائد کے موضوع پر عربی تالیف ۔

—— تراجم العلماء الکاملین ۔

—— احوال مخصوص در ایّامِ ولادت و وفات ۔

—— رحیقِ مختوم حالاتِ بحر العلوم ۔

—— نغمۃ الورقاء (مکاتیب عربیّہ)

—— غلالۃ الصافیہ فی حلِ لغز الکافیہ ۔ شرح مقدّمہ ۔

—— شقائق الحقائق و حدائق الدّقائق ۔ نکات و تحقیقات (دربارۂ احادیث مشکلہ)

—— تقریب شرحِ تہذیب (علمِ نحو) ــــ وغیرہ ۔

آپ کو عتبات عالیات سے ایسا عشق و شغف تھا کہ ہمیشہ ان کی زیارت کے مشتاق رہا کرتے تھے، اور دلی آرزو یہ تھی کہ دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ان ہی مقدس مقامات پر دفن ہونے کی سعادت نصیب ہو۔ چنانچہ جب اپنی خداداد ایمانی بصیرت سے محسوس کرلیا کہ اب زندگی کے آخری ایام نزدیک ہیں تو ۱۴ رماہِ رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ کو اچانک کربلائے معلیٰ کے چھٹے اور آخری سفر کے لیے تیار ہو گئے، لوگوں نے بہت روکا مگر نہ رُکے، اور جب بعض مومنین نے آپ کے ہمرکاب ہوکر کربلائے معلیٰ کی زیارت کا اشتیاق ظاہر کیا تو فرمایا کہ میں تو اب لکھنؤ میں نہیں ٹھہر سکتا ہوں، آپ حضرات (چند دنوں کے اندر) بمبئی پہونچ جائیے (وہاں سے ایک ساتھ روانہ ہوں گے) اور اس طرح آپ متعدد مومنین کے ہمراہ کربلا پہونچے۔ جس کے بعد آپ وہیں رہے یہاں تک کہ بتاریخ ۲۴ محرم ۱۳۱۳ھ بروز چہارشنبہ علی الصباح کربلائے مُعلیٰ میں ہی رحلت فرما گئے۔ تقدس مآب عالیجناب سید باقر صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور درِ زینبیہ کے قریب، مقبرۂ کابلیین حجرۂ نواب صاحب میں دفن ہوئے۔

آپ کی وفات حسرت آیات پر علماءِ کرام و اجلاءِ عظام نے مرثیے نظم کیے، سرکار ظہور الملّۃ مولانا سیّد ظہور حسین صاحب اعلی اللہ مقامہٗ نے درجِ ذیل مرثیہ کہا:

خلیلی ما للعین فی دارس الرسم ؛ غدا استهل الدمع من جفنها یهمی ...الخ

خطیبِ اعظم مولانا سیّد سبطِ حسن صاحب اعلی اللہ مقامہٗ نے مندرجہ ذیل مرثیہ کہا:

هوی جبل من آل عدنان راسیا
فامست بقاع الارض ارجفها هدّه

قفی نحبه والدهر یخشاه صیته
ولم یلف بحر فی الوری حزره مدّه

لقد کان حیا آیة الله فی الوریٰ
وفی القبر امسی مصحفا حازه جلده

تعری العراق منه سیفا مهندا
فیا حبّذا سیف و یا حبّذا غمده

فارخت عاما حل قید ضریحه
بکته جفون الشرع ناح له مجده

آپ کی اولاد میں چار فرزند تھے جو سب کے سب اپنے زمانے کے صاحبِ فضل و شرف اور منارۂ علم و تقویٰ ثابت ہوئے :

(۱) عالیجناب مولانا سید زین العابدین صاحب
(متوفی ۱۳۱۳ھ) (کربلائے معلّٰی)

(۲) عالیجناب سید محمد جعفر صاحب (متوفی ۱۳۱۰ھ)[1]

(۳) آیت اللہ تقدس مآب مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ
(متوفی ۱۳۴۶ھ) (کربلائے معلّٰی)

(۴) آیت اللہ سید محمد ہادی صاحب طاب ثراہ
(متوفی ۱۳۵۷ھ) (کربلائے معلّٰی)

اور حضرت آیت اللہ سید محمد ہادی صاحب طاب ثراہ ہی کے جلیل القدر اور عالی مرتبت فرزند حضرت آیت اللہ سید حسن صاحب اعلی اللہ مقامہٗ ہیں جن کے حالاتِ زندگی کے سلسلے میں یہ کتاب نذرِ قارئین کی جارہی ہے۔

---

[1] آپ کے تالیفات میں ایک عربی دیوان ہے جس کا تذکرہ آغا بزرگ تہرانی اعلی اللہ مقامہٗ نے کتاب الذریعہ باب الدیوان میں (ج ۹ ص ۱۸۵) کے تحت کیا ہے۔

والدعلام

جس طرح آپ کے جد بزرگوار حضرت آیت اللہ آقائے سید ابوالحسن (عرف ابّو صاحب) قبلہ اپنے زمانے کی نابغہ روزگار شخصیت تھے اُسی طرح آپ کے والدعلام حضرت آیت اللہ آقائے سید محمد ہادی صاحب اعلی اللہ مقامہٗ بھی وحید عصر زُہد و تقویٰ کی جیتی جاگتی تصویر اور علم و عمل کے شاہکار کی حیثیت رکھتے تھے۔

آپ ۲ / ذی قعدہ ۱۲۹۱ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ، جناب ممتاز العلماء مولانا سید محمد تقی صاحب اعلی اللہ مقامہٗ کی دختر نیک اختر تھیں اس طرح آپ نانا اور دادا دونوں کی طرف سے گہوارۂ علم و دانش میں پروان چڑھے۔

آپ بچپن سے ہی اپنے آباء و اجداد کے طریقے پر گامزن تھے۔ انتہائی مقدس، ذہین اور متقی و پرہیزگار تھے اور علم و دانش کا شوق تو گویا آپ کی فطرت کا جزو تھا چنانچہ آپ نے اپنے عہد کے جملہ اکابر سے کسب فیض کیا، نیز اپنے والد ماجد

اور برادرِ بزرگ حضرت باقر العلوم آقائے سید باقر صاحب اعلی اللہ مقامہٗ سے بھی تعلیم حاصل کی جس کے بعد فقہ و اجتہاد کے اعلیٰ مراتب کے حصول کے لیے آپ نجفِ اشرف تشریف لے گئے، جہاں فقہ و اصول کے درسِ خارج میں نہایت معزز طریقے سے شرکت فرمائی، اُس زمانے کے مستند علمائے کرام بھی آپ کا احترام کرتے تھے۔

نجفِ اشرف کی سرزمین اُس وقت ہزاروں علماء و مجتہدین سے چھلک رہی تھی اور ہر علم و فن کے ماہرین عروسِ علم و تحقیق کے گیسو سنوارنے میں مصروف تھے، ان فقہاء و مجتہدین میں مندرجہ ذیل حضرات بین الاقوامی شہرت کے مالک تھے:

- شیخ الشریعۃ آقای شیخ فتح اللہ اصفہانی المعروف "آقائے شریعت"
- حضرت آیت اللہ سید محمد کاظم طباطبائی اعلی اللہ مقامہٗ
- محققِ عصر آیت اللہ حضرت آقائے شیخ محمد کاظم خراسانی علیہ الرحمہ

عالیجناب مولانا سید ہادی صاحب اعلی اللہ مقامہٗ نے بکثرت مجتہدین سے کسبِ فیض کیا اور مذکورہ بالا جہابذہ کرام اور مجتہدینِ عظام سے خاص طور سے استفادہ کیا۔

نجفِ اشرف کے اکابر و اعلام سے فیض حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ واپس پہونچے تو مدرسہ عالیہ سلطان المدارس میں نائب مدرس اعلیٰ قرار پائے۔

آپ درس و تدریس میں ایسی اعلیٰ مہارت رکھتے تھے کہ شرحِ لمعہ، قوانین الاصول، فصول، تصریح (علم ہیئت) شرحِ کبیر، رسائل اور اُصولِ کافی جیسی اہم ترین کتابوں کا درس دیتے تھے (اور آپ کا درس ایسا شیریں ہوتا تھا کہ جو طلبہ بھی شریکِ درس ہوتے تھے، اُن کے اذہان میں تمام مطالب لفظ بہ لفظ راسخ ہو جاتے تھے اور وہ فرحت و انبساط کے عالم میں درس سے اُٹھتے تھے۔)

مدرسہ عالیہ سلطان المدارس کے مدرس اعلیٰ حضرت آقائے سید باقر صاحب طاب ثراہ جب عراق تشریف لے جاتے (یا کہیں اور کا سفر درپیش ہوتا) تو اپنی جگہ پر آپ ہی کو قائم مقام بنایا کرتے تھے۔

——— ۷ ———

آپ انتہائی وجیہ شخصیت کے مالک تھے۔ چنانچہ جلیل القدر عالمِ دین جناب مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی اپنی گراں بہا

تالیف "مطلع انوار" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"میں نے جناب سید ہادی صاحب اعلی اللہ مقامہ کی زیارت کی ہے۔ اُبھرتا ہوا قد، خوبصورت چہرہ (وجیہ و شکیل خدوخال اور بارُعب شخصیت کے مالک تھے) عبا پہنتے تھے سر پر کبھی عمامہ اور کبھی ٹوپی ہوتی تھی، گلے میں بڑا رومال، کمر میں پٹکا، زرد رنگ کی مخمل کی کفش، ہاتھ میں عصا، نہایت بُردبار، باوقار، متقی پرہیزگار اور عبادت گذار تھے۔

طلاب کرام کی بہت زیادہ عزت کرتے تھے، درس و تدریس، فقہ واصول سے خصوصی شغف تھا۔ مدرسے میں بھی اور شریعت کدے پر بھی عموماً شب و روز درس کا سلسلہ جاری رہتا تھا، اور اس طرح تشنگانِ علم و دانش ہمہ وقت آپ کے چشمۂ علم سے سیراب ہوتے رہتے تھے۔

اپنے والد بزرگوار کی طرح آپ بھی عشقِ و محبّت اہل بیتؑ سے سرشار تھے، بکثرت کربلائے معلّٰی کی زیارت کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے جبکہ اُس زمانے میں سفر کی وہ سہولتیں نہیں تھیں جو آجکل میسّر ہیں۔ لکھنؤ سے روانگی کے کئی روز بعد بمبئی

پہونچنا' وہاں ہفتوں بحری جہاز کی روانگی کے انتظار میں ٹھہرنا، پھر نہایت طویل بحری سفر طے کرکے بصرہ پہونچنا' اور وہاں سے انتہائی سست رفتار سواریوں کے ذریعے کربلائے معلّیٰ تک پہونچنا ــــ ایک دشوار مرحلہ ہوا کرتا تھا، لیکن اہلِ بیت طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین سے خصوصی عشق و وارفتگی کی بنا، پر آپ بار بار یہ سفر طے کرتے تھے اور اُن مقدس مزارات پر پہونچ کر بارگاہِ امامت میں حاضری اور راز و نیاز کا شرف حاصل کرتے تھے' اور عملاً دنیا بھر کے صاحبانِ ایمان و معرفت کو یہ درس دیا کرتے تھے کہ اصل شہنشاہی تو اِس در کی جبہ سائی ہے جس نے درِ اہلِ بیت کو پالیا اُس کی دُنیا بھی سنور گئی اور آخرت بھی نکھر گئی' اور جسے ان کی دہلیز پر قدم رکھنے کا موقع مل گیا اُس نے گویا سعادتِ دارین حاصل کرلی۔ اب وہ دنیا میں بھی رستگار ہے اور آخرت میں بھی حور و نعیم اُس کے آرزومند و طلبگار ہیں۔

اور جیسا کہ آپ کے والدِ بزرگوار جناب سید ابو صاحب قبلہ اپنی وفات سے چند ماہ قبل، ایک خاص روحانی کشش کے تحت لکھنؤ سے روانہ ہو کر کربلائے معلّیٰ پہونچ گئے تھے جہاں

۲۴ر محرم ۱۳۱۳ھ کو انتقال فرمایا تھا۔

اسی طرح آپ ۱۳۵۶ھ میں آخری مرتبہ کربلائے معلیٰ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور یکم صفر ۱۳۵۷ھ مطابق ۲ر اپریل ۱۹۳۸ء کو اُسی مقدس سرزمین پر داعیٔ اجل کو لبیک کہی اور حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے جوارِ مقدس میں محوِ خواب ہوئے۔

———— ۱۰ ————

جیسا کہ چند صفحات قبل عرض کیا گیا حضرت آیت اللہ سید محمد ہادی صاحب اعلی اللہ مقامہ کو درس و تدریس کا خصوصی شوق تھا، مدرسہ سلطان المدارس میں بھی مشغولِ درس رہتے اور گھر پر بھی درس پڑھاتے۔ اِس طرح دینی طلاب شب و روز آپ سے کسبِ فیض کے حصول میں مشغول رہا کرتے تھے اور مسندِ علم پر جلوہ افروز ہونے والی یہ گرانقدر شخصیت مسلسل فیض رسانی میں مصروف تھی جس کی وجہ سے پورے برِ صغیر کے نہایت جلیل القدر علمائے کرام نے آپ سے اکتسابِ علم کیا، جن میں سے صرف چند نمایاں حضرات کے درجِ ذیل کیے جاتے ہیں:

عالیجناب مولانا سید محمد رضا صاحب (فلسفی)

" مولانا سبطِ حسن صاحب طاب ثراہ (شمس العلماء)

" مولانا سید ابنِ حسن صاحب نونہروی اعلی اللہ مقامہٗ

" عمدۃ العلماء مولانا سید کلبِ حسین (کبّن صاحب) قبلہ

" مولانا سید محمد عرف میرن صاحب طاب ثراہ

" مولانا عالم حسین صاحب (پروفیسر جامعہ سلطانیہ)

" بابائے فلسفہ مولانا سید عبد الحسین صاحب (صوبہ بہار)

" مولانا سید زین العابدین صاحب (ملتان) ۔ پنجاب)

" تقدس مآب مولانا محمد مصطفیٰ صاحب جوہر اعلی اللہ مقامہٗ

" مولانا عالم حسین صاحب (بارہ بنکی)

" مولانا سید محمد صاحب طاب ثراہ

" مولانا مرزا یوسف حسین صاحب (مبلغِ اسلام و قاضی شریعت)

" مولانا ضامن حسین صاحب اعلی اللہ مقامہٗ

" مولانا سید اقبال رضا صاحب طاب ثراہ

" مولانا ڈاکٹر اعجاز حسین صاحب (صاحبِ تصانیف عدیدہ)

" معروف دانشور مولانا ڈاکٹر مجتبیٰ حسن صاحب کاموں پوری

وغیرہ ——— وغ ———

درس و تدریس کی ان بے پناہ مصروفیات کے باوجود آپ نے تصنیف و تالیف کی مصروفیات کو بھی شاندار طریقے سے باقی رکھا اور آپ کی نگارشات سے ارباب علم و دانش مسلسل فیض حاصل کرتے رہے، اور ایک نابغۂ روزگار شخصیت کی طرح آپ نے مختلف موضوعات پر نہایت سیر حاصل بحث کی اور اپنی علمی تحقیقات سے تشنگانِ علم و معرفت کے لیے عظیم الشان سرمایہ فراہم کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں ہی شعبے بقائے علم کا مؤثر ترین ذریعہ ہیں (۱) ایسے شاگرد تیار کر دینا جو دنیا بھر کے لوگوں کو علم و معرفت سے روشناس کراتے رہیں اور بندگانِ خدا کو اپنی خداداد صلاحیتوں سے مالا مال کرتے رہیں اور (۲) ایسی کتابیں جن سے طالبان علم و تحقیق کسبِ فیض کرتے رہیں۔

قرآن کریم میں مالکِ دوجہاں کا ارشاد ہے کہ:

"وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ..."

"اور ہم اُن کے پیش کردہ اعمال کو بھی لکھ لیتے ہیں اور اُن کے آثار کو بھی۔"

(سورۂ مبارکہ یٰسٓ آیت ۱۲)

اور سرکار شریعتمدار آقائے سید محمد ہادی صاحب اعلی اللہ مقامہٗ کے

علمی آثار عالی مرتبت شاگردوں کی صورت میں بھی خدمتِ دین مصروف ہیں (کچھ عالمِ آخرت کی طرف رختِ سفر باندھ چکے ہیں اور کچھ بحمدہٖ ابھی بقیدِ حیات ہیں) ـــ اور آپ کی گرانقدر تالیفات بھی اربابِ تحقیق کے لیے نہایت عظیم الشان سرمایہ ہیں۔ جن میں سے مندرجہ ذیل علمی آثار خصوصی اہمیت کی حامل ہیں:-

- حواشی شرحِ کبیر
- حواشی رسائل جناب شیخ مرتضیٰ علیہ الرحمہ
- حواشی برقوانین الاصول
- حواشی ,, شرحِ لمعہ
- ہدیہ سنیہ شرحِ روضہ بہیّہ (شرحِ لمعہ دمشقیہ)
- رسالہ در طہارت آبِ منجمد۔
- نہج الادب: اخلاق و موعظ و احادیث۔
- قصائد مدحیّہ (در مدحِ معصومینؑ) بزبان عربی۔
- رسالہ حرمتِ غنا (غیر مطبوعہ) فقہ استدلالی۔

پروردگارِ عالم نے سرکارِ شریعتمدار حضرت آقا ئے سید محمد ہادی صاحب اعلی اللہ مقامہٗ کو متعدد فرزندانِ گرامی مرتبت

سے نوازا تھا جو سب کے سب اپنے زمانے کے نہایت جلیل القدر، ممتاز اور مقدس ترین علمائے کرام تھے، یعنی

- ★ سرکار عالی وقار مولانا سید احمد صاحب اعلی اللہ مقامہٗ
- ★ حضرت آیت اللہ آقائے سید حسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ
- ★ حضرت حجۃ الاسلام آیت اللہ مولانا سید حسین صاحب طاب ثراہ

سرکار سید احمد صاحب نے ۱۳۹۳ھ میں، سرکار سید حسین صاحب طاب ثراہ نے ۱۳۸۵ھ میں رحلت فرمائی۔ البتہ آیت اللہ سید حسن صاحب اعلی اللہ مقامہٗ ۱۴۱۱ھ تک بقیدِ حیات رہے۔

ولادت

۱۳۲۲ ہجری میں لکھنؤ کے نہایت جلیل القدر خاندان کی عظیم المرتبت شخصیت سرکار شریعتمدار آقائے سید محمد ہادی صاحب کے یہاں دوسرے نورِ نظر کی پیدائش ہوئی جن کا نام نامی اسمِ گرامی "سید حسن" رکھا گیا۔

چونکہ آپ کے والد علام اہلِ بیت طاہرین علیہم السلام کے مقدس مزارات سے ایسا والہانہ عشق رکھتے تھے کہ اُس دور میں جب سفر انتہائی صعوبتوں کا باعث ہوا کرتا تھا، بار بار

لکھنؤ سے کربلائے معلّٰی کا سفر اختیار کرتے تھے اور اُن ایام کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی نعمت سمجھتے تھے جو سرکار سیّد الشہداء کے روضۂ اقدس کے جوار میں بسر ہوں۔ اِس لیے میری چشمِ تصوّر کہتی ہے کہ اپنے اِس نورِ نظر کی پیدائش سے قبل جب آپ نے کربلائے معلّٰی میں خامسِ آلِ عبا کے مزارِ مقدّس پر حاضری دی ہوگی تو نہایت خلوص و ادب سے اُس آستانے پر یہ التجا کی ہوگی کہ :

" پالنے والے مجھے خامسِ آلِ عبا کے تصدّق میں ایسا فرزند عطا فرما جس کے علوم و معارف کا فیضان سرزمینِ ہند سے مقدّس ارضِ کربلا تک ہر طرف عام ہو اور جو حضرت بقیۃ اللّٰہ فی ارضہ وحجتہ علیٰ عبادہٖ قائمِ آلِ محمّد امامِ زمانہ علیہ السّلام کی نیابت کا شرف حاصل کرکے مسندِ اجتہاد پر جلوہ افروز ہوں اور اُن سے عرب و عجم ہر جگہ کے تشنگانِ علم و معرفت اکتسابِ فیض کر سکیں۔

دعا قبول ہوئی، نورِ نظر نے دنیا میں قدم رکھا تو اُن کے لیے وہی نام تجویز کیا گیا جو حضور اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے خاتونِ جنّت کی آغوش میں آنکھیں کھولنے والے پہلے فرزندِ ارجمند

(حضرت امام حسن علیہ السّلام) کے لیے تجویز فرمایا تھا۔

۱۷

پیغمبرِ اسلام خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا مشہور و معروف فرمان بھی ہے کہ :

"اپنے بچوں کا خوبصورت اور بابرکت نام رکھو بے معنی اور بدنما نام مت رکھو۔"

اور بعض احادیث میں تو فرائض و حقوق کا تذکرہ فرماتے ہوئے حضرات ائمۂ معصومین علیہم السّلام نے ماں باپ پر اولاد کا یہ حق قرار دیا ہے کہ وہ اُن کے اچھے نام رکھیں، اچھی تربیت کریں اور اُنھیں محبتِ اہلِ بیتؑ میں ایسا راسخ کردیں کہ زمانے کا طوفان اُن کو راہِ ہدایت سے متزلزل نہ کرسکے۔

اور ناموں میں، وہ نام زیادہ پسندیدہ قرار دیے گئے ہیں جن سے خدا و رسولؐ اور ائمۂ طاہرین علیہم السّلام سے وابستگی کا واضح اعلان ہوتا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ کائنات کے تمام اچھے ناموں میں سے وہ نام تو سب سے بلند مرتبہ، حُسن و جمال کا شاہکار اور معنویت و تاثیر سے مالا مال ہیں جنھیں حضور اکرم خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے

اہلِ بیت طاہرینؑ کے لیے پسند فرمایا :

"حَسَن" کا تو لفظ بھی ایسا ہے کہ اگر اس پر اِعراب نہ لگائے جائیں تو حُسن پڑھا جائے ۔ اِس کا مصدر بھی حُسن ہی ہے اِسی لیے اِس کے معنی ہیں" بہت اچھا" خوبصورت ، صاحبِ جمال ، اعلیٰ شخصیت کا مالک ۔

آغوشِ تربیت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اُن کے اہلِ بیت طاہرین علیہم السّلام کے مقدّس سلسلے سے جو احادیث ہم تک پہونچی ہیں اُن میں تصریح کی گئی ہے اور برادران اہلِ سنّت کی بھی تقریباً تمام معتبر کتابوں میں اس مضمون کی احادیث وارد ہیں کہ:

" دنیا میں آنے والا ہر بچّہ شائستہ مزاج اور اچھی طبیعت لے کر آتا ہے ۔ البتہ والدین کی تربیت اور گھر خاندان اور سوسائٹی کا ماحول اُسے کچھ کا کچھ بنا دیتا ہے"۔ چنانچہ ہماری "کتبِ اربعہ" اور برادران اہلِ سنّت کی "صحاحِ ستّہ" کے اندر یہ روایت معتبر اور قابلِ وثوق اسناد کے ساتھ موجود ہے کہ

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ، وَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ" (متفق بین الفریقین)

اور شارحینِ حدیث نے اِس حدیث سے بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ والدین کے افکار و خیالات کا اثر اُن کی اولاد پر لازمی طور سے پڑتا ہے اور بچے فطری و نفسیاتی طور پر اُن ہی عقائد و نظریات کو اپناتے چلے جاتے ہیں جن پر اُن کے والدین کاربند ہوں۔

اور صرف عقائد و نظریات ہی نہیں بلکہ اخلاقیات، اِلٰہیات، سماجیات، معاشیات، تہذیب و تمدن، عادات و اطوار، رسم و رواج . . . غرض زندگی و بندگی کے تمام معاملات میں اولاد کی شخصیت پر ماں باپ کی سیرت و کردار کا عکس پڑتا ہے۔ (اِلّا ماشذّ و ندر)

اور اب تو جدید علوم میں اِس بات پر بھی بڑے پیمانے پر تحقیق کی جا رہی ہے کہ کون کونسی صفات بچے کو اپنے والدین سے بطور میراث ملتی ہیں اور کن کن خوبیوں میں بیٹا اپنے باپ کا مکمل جانشین ہوتا ہے۔

حضرت آیت اللہ آقائے سید حسن رضوی اعلی اللہ مقامہٗ کو سرکار شریعتمدار آقائے سید محمد ہادی صاحب اعلی اللہ مقامہٗ جیسے پدرِ عالی وقار کی آغوش تربیت ملی جو علم و عمل، تقویٰ و پرہیزگاری، زہد و پارسائی، عبادت و ریاضت، تزکیۂ نفس و طہارت اور اخلاص و للٰہیت کا مجسمہ اور حسنِ عمل کا نمونہ تھے جو واجبات و فرائضِ مذہبی کے ساتھ ساتھ نوافل و مستحبات کے بھی اس قدر پابند تھے کہ تہجّد کے وقت جب دنیادار افراد خواب کی دنیا میں ہوتے تھے، آپ مصلّائے عبادت پر اپنے خالق اور کائنات کے پروردگار سے راز و نیاز میں مصروف رہتے تھے۔ اور اپنے ساتھ اپنے نونہالوں کو بھی اُٹھاتے تھے اور اس بات کی تاکید فرمایا کرتے تھے کہ کائنات کے اندر اصل عظمت و جلالت بارگاہِ معبود میں حاضری دینے والوں اور اُس سے راز و نیاز کرنے والوں کی ہے۔

جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک بادشاہ اور حکمراں گذرے جن کا آج کوئی بھی نام لیوا باقی نہیں ہے لیکن اُن کے زمانے میں جن انبیاء و مرسلین اور ائمۂ طاہرین علیہم السّلام نے زندگی گذاری اُن پر اگرچہ

ہر دور میں نہایت روح فرسا مظالم ڈھائے گئے مگر آج بھی قلوبِ انسانی میں اُن کی عظمتوں کے چراغ روشن ہیں، اور جبینِ انسانیت اُن کی سیرت و کردار کے آگے عقیدت و احترام کے ساتھ جھکی ہوئی نظر آتی ہے۔

اِکتسابِ علم

پورے برِ صغیر میں لکھنؤ کی سرزمین کو ایک انفرادی حیثیت حاصل ہے جہاں تہذیب، تمدن، زبان، اخلاق شائستگی، اعلیٰ اقدار اور معاشرتی زندگی کا ایک ایک پہلو اپنے اندر ایک خوشبو لیے ہوئے ہے خصوصاً علمی اور دینی و مذہبی اعتبار سے یہ شہر صرف برِ صغیر ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیائے شیعیت میں امتیازی شان و شوکت کا حامل ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ دنیا بھر میں اِس شہر کا نام کسی شخصیت کے معتبر اور صاحبِ ذوق ہونے کی سند کی حیثیت رکھتا ہے، مغربی ممالک میں جہاں اُردو داں حضرات کی بہت بڑی تعداد زندگی گذار رہی ہے، جب بھی کسی لفظ

لہجے یا تلفظ کی صحت کا مسئلہ درپیش ہو تو عموماً اہلِ لکھنؤ کے فرمان کو حرفِ آخر سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح جو ذاکرین دنیا بھر میں ذکرِ اہلِ بیتؑ کے لیے تشریف لے جاتے ہیں اُن کے نام کے ساتھ اگر لکھنؤ کی نسبت موجود ہے تو وہ اُن کی مقبولیت کے لیے کافی ہوتی ہے۔ دور دراز سے عاشقانِ اہلِ بیتؑ اُس ذاکرِ حسینؑ کو سُننے کے لیے والہانہ انداز سے پہونچتے ہیں، اور اُن کے جملوں کی جی بھر کے داد بھی دیتے ہیں اور اُن کی زبان کی شیرینی و لطافت اور بیان کی نکتہ آفرینیوں سے لطف اندوز بھی ہوتے ہیں۔

شہرِ لکھنؤ کی یہ دینی عظمت ہی ہے کہ قُم اور نجفِ اشرف جیسے عظیم الشان علمی مراکز کے فقہا و مجتہدین حتّیٰ کہ مراجعِ کرام بھی اس شہر، یہاں کی دینی درسگاہوں اور یہاں علماء و فقہاء کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، چنانچہ عہدِ حاضر کی منفرد و یگانہ شخصیت علمِ انساب و کلام کے ماہر، فقیہِ عصر حضرت آیت اللہ العظمٰی آقائے سید شہاب الدین مرعشی نجفی علیہ الرحمہ نے اپنی تالیفات میں اِس شہر کا خصوصیت سے تذکرہ کیا ہے اور یہاں کے اہلِ علم کی خدمات کو گرانقدر خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

اسی طرح عہدِ حاضر کی ایک اور مشہور و معروف شخصیت حضرت آیت اللہ آقائے امینی علیہ الرحمہ جن کی کتاب "الغدیر" گیارہ جلدوں میں شائع ہو کر ساری دنیا میں عظیم الشان شہرت حاصل کر چکی ہے۔ انھوں نے بھی اپنی اِس شہرۂ آفاق تصنیف میں اُن گرانقدر دینی خدمات کا تذکرہ کیا ہے جو علمائے لکھنؤ نے مذہبِ اہلِ بیتؑ کی ترویج اور نشر و اشاعت کے سلسلے میں انجام دیں، اور اُن خاندانوں کا ذکر نہایت عزت و احترام کے ساتھ کیا ہے جن کی خدمات سے برِ صغیر کے صاحبانِ علم و دانش صدیوں سے فیضیات ہو رہے ہیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ لکھنؤ کا یہ اعتبار اُن چند علمی و مذہبی خاندانوں کے جیّد اور مستند علمائے کرام کی خدمات کا رہینِ منت ہے جن کی پارسائی اور تقدس کا یہ عالم تھا کہ: ع

"دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں"

نمایاں ترین خاندانوں میں خاندانِ جناب غفرانمآبؒ، خاندانِ ناصر الملتؒ، خاندانِ مفتی محمد عباسؒ، خاندانِ نجم الملتؒ اور خاندانِ سرکار شریعتمدار آقائے سید ابو صاحب کا شمار ہوتا ہے

لکھنؤ کے یہ خاندان علم، تقویٰ، پرہیزگاری، اور تقدس و پارسائی کا مرقع سمجھے جاتے تھے۔ البتہ سرکار شریعتمدار آقائے سید ابو صاحب اعلی اللہ مقامہٗ کی یہ انفرادی شان بھی سب سے ممتاز نظر آتی ہے کہ لکھنؤ میں دینی مدارس کی تاسیس کے سلسلے میں بھی اس خاندان کا حصہ بہت نمایاں ہے اور اس خاندان کے روابط کربلائے معلیٰ کی سرزمین اور وہاں کے فقہا و مجتہدین سے بھی ہمیشہ مستحکم بنیادوں پر استوار رہے، جو اس خاندان کے اعلیٰ ترین وقار کی بھی علامت ہے اور حضرات اہلِ بیتؑ خصوصاً سرکار سید الشہداؑ کے مزارِ مقدس سے آپ حضرات کے والہانہ عشق و وابستگی کی بھی۔

سرکار عالی وقار مولانا سید حسن صاحب اعلی اللہ مقامہٗ اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد علام سرکار شریعتمدار مولانا سید محمد ہادی صاحب طاب ثراہ اور عم محترم سرکار تقدس مآب آقائے سید باقر صاحب اعلی اللہ مقامہٗ سے حاصل کی جس کے بعد برِصغیر کی مایۂ ناز دینی درسگاہ جامعہ سلطانیہ سلطان المدارس میں علوم ربانیہ اور معارف الٰہیہ کی

تعلیم حاصل کی جہاں سے "صدر الافاضل" کی گرانقدر تعلیمی سند حاصل کرنے کے بعد تکمیلِ معارف اور فقہ و اجتہاد کے لیے کربلائے معلیٰ اور نجفِ اشرف تشریف لے گئے اور ائمۂ معصومین علیہم السّلام کے مقدس جوار میں تحقیق و اجتہاد کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوئے۔

جس زمانے میں آپ تکمیلِ معارف اور فقہ و اجتہاد کے لیے نجفِ اشرف تشریف لے گئے وہ زمانہ ایسا تھا جسے علمی اعتبار سے اِس دینی مرکز کے شباب زمانہ کہا جاسکتا ہے جہاں آقائے سیّد ابوالحسن اصفہانی، آقائے مرزا نائینی، آقائے سیّد حسن شیرازی بزرگ، آقائے بحرالعلوم، آقائے محمد حسین صاحب کاشف الغطاء، آقائے سیّد ضیاء عراقی، آقائے شیخ فتح اللہ (شیخ الشریعۃ) جیسے بزرگ مجتہدین اور مراجعِ تقلید شجرِ علم کی آبیاری میں مصروف تھے اور ساری دنیا سے تشنگانِ علم عراق کی مقدس سرزمین پر پہونچ کر اپنی علمی تشنگی کو دور کرنے کی کوشش کرتے تھے اور ان علماء و مجتہدین کی بزم میں شرکت کرکے اپنے دامن کو علم و عمل کے جواہرِ آبدار سے مالا مال بھی کرتے تھے

اگر اس دور کو عراق کی علمی فضا کے بہار کا دور کہا جائے تو ہرگز مبالغہ نہیں ہوگا، جہاں ہر قسم کی دنیاوی فکر سے آزاد ہو کر صاحبانِ علم تحقیق و استنباط کے مراحل کو طے کر رہے تھے اور ہر شخص اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس خزانۂ عامرہ سے اپنے قلب و دماغ کو معمور کر رہا تھا۔

حضرت آیت اللہ سید حسن صاحب طاب ثراہ جو ایک خالص علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے اور فقہ آلِ محمدؐ سے گہری وابستگی آپ کے رگ و ریشے میں سرایت کیے ہوئی تھی اور جنھیں اپنے خاندان کے عظیم ترین علمائے دین کے زیر سایہ علم کے اعلیٰ مدارج کو طے کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ جب عراق کی مقدس اور علم پرور سرزمین پر پہونچے تو اُس وقت کے علمائے اعلام کے زیرِ سایہ آپ کی خداداد علمی صلاحیتوں نے وہ جِلا۔ پائی، اور اپنی ذاتی کوششوں، عبادتوں، ریاضتوں اور تقویٰ و پرہیزگاری، نمازِ تہجد اور ائمہ معصومینؑ کی زیارت کی پابندی اور اُس جوارِ مقدس کے قُرب نے آپ کی شخصیت کے اندر چھُپے ہوئے سونے کو کُندن بنا دیا، اور عراق پہونچنے کے تھوڑے ہی عرصے کے اندر علمی حلقوں میں آپ ایک اہم حیثیت

کے مالک ہو گئے۔

علم صرف، علم نحو، بلاغت، معانی وبیان، عربی ادب (نثر و نظم) فلسفہ ومنطق، حدیث و اصولِ حدیث، علم قرأت و تجوید، تفسیر، تاریخ، علم کلام اور دیگر علوم اسلامی تو آپ نے لکھنؤ کے قیام کے دوران ہی حاصل کر لیے تھے اسی کے ساتھ فقہ و اصول میں نہایت ممتاز حیثیت آپ کو سلطان المدارس (جامعہ سلطانیہ) میں تحصیلِ علم کے دوران ہی حاصل ہو چکی تھی، کیونکہ دورانِ تعلیم آپ اپنے تمام معاصرین کے درمیان نہایت امتیازی حیثیت کے حامل رہے اور جس وقت آپ کو جامعہ سلطانیہ (سلطان المدارس) کے آخری درجات میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اس درس گاہ کی سب سے اعلیٰ تعلیمی سند " صدر الافاضل " عطا کی جا رہی تھی تو درحقیقت علم و عمل اور تقویٰ و پرہیزگاری کی دنیا میں ایک نہایت عالیقدر اضافے کی نوید سنائی جا رہی تھی اور پھر وقت کی رفتار نے ثابت کر دیا کہ جس گرامی مرتبت شخصیت کو یہ سند دی گئی تھی وہ تمام علماء و افاضل کے درمیان صدر نشین کی حیثیت کے تھے ——— کیونکہ دنیا میں ایسے

لوگ تو بہت ہیں جن کا اعزاز کسی سند کا مرہونِ منت ہوتا ہے لیکن ایسے صاحبانِ کمال بہت کم ہوتے ہیں جن کا علم و فضل اُس سند کے لیے وجہ اعتبار بن جائے۔ بالفاظِ دیگر یوں کہیئے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی شخصیت کے لیے سند باعثِ اعزاز ہوتی ہے اور کچھ ایسے باکمال ہوتے ہیں جن کی ذاتی شخصیت علمی وجاہت، کردار کی عظمت خود اُس سند کے لیے باعثِ افتخار بن جاتی ہے۔

جیسا کہ عالمِ عربی کے ایک نامور محقق و دانشور نے مسندِ خلافت کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"جتنے لوگ سریرِ خلافت پر بیٹھے اُن کو خلافت کے ذریعے سے عزت ملی، لیکن امیر المومنین حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام وہ منفرد ہستی ہیں جن کے ذریعے سے خود مسندِ خلافت کو عزت ملی ہے۔"

حضرت آیت اللہ سید حسن صاحب اعلی اللہ مقامہٗ تاریخ کی اُن ہی منفرد اور نابغہ روزگار شخصیتوں میں سے ہیں جن کے لیے "صدر الافاضل" کی سند وجہ افتخار نہیں بلکہ

آپ کی شخصیت، سیرت و کردار اور عظمت و جلالت خود اُس سند کے لیے باعثِ اعزاز بن گئی اور جب آپ اُس سند کو حاصل کرنے کے بعد فقہ و اجتہاد کے اعلیٰ مراتب حاصل کرنے کے لیے عراق پہونچے تو اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر نہایت مختصر سے عرصے میں اپنے معاصرین کے درمیان ایک ممتاز درجے پر فائز نظر آنے لگے۔

اور عراق و ایران کے علمی مراکز میں کسی بھی انسان کی عظمت و جلالت اُس کی خداداد صلاحیتوں، ذاتی کاوشوں تائیدِ الٰہی اور نصرتِ معصومین علیہم السّلام کی مرہونِ منت ہوا کرتی ہے جو اُن کی راہ پر چلنے کی بھرپور کوشش کرے۔ چنانچہ عہدِ غیبت کے لیے امامِ زمانہ علیہ السّلام نے علمائے دین کی طرف رُجوع کرنے کا جو حکم دیا ہے وہ اُن ہی ہستیوں کے لیے ہے جو اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ دینِ حق (مذہبِ اہلبیت) کی خدمت اور معارفِ الٰہیہ کی نشر و اشاعت میں مصروف ہیں۔

حضرتِ قائمِ آلِ محمّدؑ کا یہ ارشادِ گرامی کہ:

"اَمَّا الْحَوَادِثُ الْوَاقِعَةُ فَارْجِعُوْا فِيْهَا اِلٰى رُوَاةِ اَحَادِيْثِنَا فَاِنَّهُمْ حُجَّتِيْ عَلَيْكُمْ وَاَنَا حُجَّةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَالرَّادُّ عَلَيْهِمْ كَالرَّادِّ عَلَيْنَا ... الخ" یعنی

ترجمہ: (آنے والے واقعات میں (ہمارے) اُن علماء
کی طرف رُجوع کرنا جو ہم (اہلِ بیت) کے ارشادات
کی روایت کرنے والے ہوں کیونکہ یہ میری طرف سے حجت ہیں
تم پر اور میں اللہ کی طرف سے حجت ہوں اُن پر، جس نے
ان لوگوں کی ہدایات کو رد کرے گا اُس نے گویا ہمارے حکم
کو رد کیا ......" الخ

اسی فرمانِ رفیع الشان کی بناء پر علماء و اکابرِ مذہب کو نائبِ امامؑ کہا جاتا ہے کیونکہ ان لوگوں کو حضرت امامِ زمانہؑ نے اپنی طرف سے تمام اہلِ ایمان کے لیے حجت قرار دیا ہے، تاکہ ان کے فتاویٰ پر عمل کر کے وہ اپنی دنیا و آخرت کو سنوار سکیں۔

اب یہ انسان کی اپنی ذاتی جدوجہد اور سعیٔ پیہم پر منحصر ہے کہ وہ اس اعلیٰ مرتبے پر فائز ہونے کے لیے دنیا کی دیگر مصروفیات سے گویا کنارہ کش ہو کر گیسوئے علم کو سنوارنے میں لگ جائے اور فقہ و اجتہاد کی اس منزل پر فائز ہو جائے کہ بندگانِ خدا اُس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کسبِ فیض کرنے میں سعادت محسوس کریں، اور اپنے تمام مذہبی معاملات میں اُس کی طرف رُجوع کر کے پیشِ پروردگار خوشنودی اور اجر و ثواب کے

حقدار بن سکیں۔ اسی رُجوع کے پیشِ نظر اُن مجتہدین کرام کو جن کے فتاوی حاصل کر کے لوگ اُن پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں "مرجع" کہا جاتا ہے۔

تقویٰ و پرہیزگاری

دینی تعلیم کو دنیاوی علوم کے مقابلے میں جو بہت سے امتیازات حاصل ہیں اُن میں سے اہم ترین امتیاز "تقویٰ و پرہیزگاری" کی پابندی ہے۔ کیونکہ دنیا کے ہر علم و فن کے حصول کے لیے صرف اُس کے جُزئیات اور تفاصیل کو سمجھنا کافی ہے جبکہ "علمِ دین" کے حصول کے لیے صرف اُس کے اجزاء و تفاصیل کا ادراک کافی نہیں، بلکہ عملِ صالح کی راہوں پر چلنا اور سیرت و کردار کو رضائے پروردگار کا نمونہ بنانے کی مسلسل جدوجہد کرنا بنیادی شرط ہے۔

اور صاحبانِ فکر و نظر سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ دینی تعلیم میں اخلاقی تربیت اور صفاتِ نفس پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے، بلکہ شاید یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ

ملّت جعفریہ کے نزدیک دینی تعلیم کا بنیادی ہدف ہی یہ ہے کہ:

"معاشرے میں باکردار انسان، باعمل مسلمان اور بامعرفت صاحبِ ایمان کا اضافہ کیا جائے۔"[1]

اور ہمارے مدارس کے اندر اُصولِ فقہ کی جو سب سے پہلی کتاب پڑھائی جاتی ہے اُس کے ابتدائی باب میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کا یہ ارشادِ گرامی لعلِ بدخشاں کی طرح جگمگا رہا ہے کہ:

"العلم یھتف بالعمل فان اَجابہ و اِلاّ ارتحل عنہ"[2]

(علم (انسان کو) عمل کی دعوت دیتا ہے، اب اگر وہ انسان (اُس دعوت پر) لبیک کہے تو علم باقی رہتا ہے ورنہ اُس کے پاس سے رُخصت ہو جاتا ہے)[2]

---

[1] حیاتِ عسکری

[2] حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمائیے کتاب معالم الدین فی الاصول باب فضیلۃ العلم اور اُصول کافی "کتاب العلم"

اور دوسری حدیث میں اِس کی توجیہ یوں کی گئی کہ :

" علم کے ساتھ اگر عمل نہ ہو تو وبال ہے ، اور اگر صرف عمل ہو اور علم نہ ہو تو سراسر خسارے کا سودا ہے ۔" ؎۱

اور امیر المومنین امام المتقین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں مردِ مومن کی جو صفات بیان کی ہیں ، اُن میں تقویٰ و پرہیزگاری کو بنیادی صفت قرار دیا ہے ، چنانچہ آپ فرماتے ہیں :

" عباد اللہ ۔ ان من احب عباد اللہ عبد ا اعانہ اللہ علیٰ نفسہ فاستشعر الحزن وتجلبب الخوف فزھر مصباح الھدیٰ فی قلبہ واعدّ القری لیومہ النازل بہ فقرّب علیٰ نفسہ البعید وھوّن الشدید نظر فابصر وذکر فاستکثر وارتوی من عذب فرات سھلت لہ موارده فشرب نھلا وسلک سبیلا جددا قد خلع سرابیل الشھوات وتخلّی من الھموم الاھما واحدا انفرد بہ فخرج من صفۃ العمی ومشارکۃ اھل الھویٰ وصار من مفاتیح ابواب الھدیٰ ومغالیق ابواب الردی قد ابصر طریقہ

وَسلك سبيله وعرف مناره وقطع غماره
استمسك من العرى باوثقها ومن الحبال بامتنها
فهو من اليقين على مثل ضوء الشمس قد نصب نفسه
لله سبحانه فی ارفع الامور من اصدار کل وارد
علیه وتصییر کل فرع الی اصله مصباح ظلمات
کشاف عشاوات مفتاح مبهمات دفاع معضلات
دلیل فلوات ــــ یقول فیفهم ویسکت فیسلم
قد اخلص لله فاستخلصه ، فهو من معادن
دینه واوتاد ارضه قد الزم نفسه العدل فکان
اول عدله نفی الهوٰی عن نفسه ، یصف الحق
ویعمل به ، لا یدع للخیر غایة الاّ اُمّها ولا
مظنة الاّ قصدها ، قد امکن الکتاب من
زمامه فهو قائده وامامه یحل حیث حل ثقله
وینزل حیث کان منزله .....“

ترجمہ: اے بندگانِ خدا ! اللہ کو اپنے بندوں میں سب سے
زیادہ محبوب وہ بندہ ہے جس کے پاس قدرت کی عطا کردہ مخالفتِ
نفس کی قوت موجود ہے (جس کے ذریعے سے وہ خواہشاتِ نفسانی

کی مخالفت کرتے ہوئے تقویٰ و پرہیزگاری کے راستے پر چلتا
رہتا ہے) جس کا اندرونی لباس حزن اور بیرونی جامہ خوفِ خدا
ہے (خدا کی خاطر اندوہ و ملال اُسے چپٹا رہتا ہے اور خوفِ خدا
اُس پر چھایا رہتا ہے) اُس کے دل میں ہدایت کا چراغ روشن ہے،
اور آنے والے دن (قیامت) کی مہمانی کے لیے ساز و سامان اُس نے
مہیا کر رکھا ہے (موت کو) جو دور ہے اُسے وہ قریب سمجھتا ہے
اور (دنیا کی) سختیوں کو اپنے لیے آسان جانتا ہے، دیکھتا ہے
تو بصیرت و معرفت حاصل کرتا ہے (اللہ کو) یاد کرتا ہے تو عمل
کرنے پر کمربستہ رہتا ہے (وہ اُس سرچشمۂ ہدایت کا) شیریں
اور خوشگوار پانی پی کر سیراب ہوا ہے جس کے گھاٹ تک (اللہ
کی رہنمائی سے) وہ بآسانی پہونچ گیا ہے۔ اُس نے پہلی ہی
دفعہ (اُس چشمۂ ہدایت سے) چھک کر پی لیا ہے اور ہموار راستے
پر چل پڑا ہے، اُس نے خواہشاتِ نفسانی کا لباس اُتار کر پھینک
دیا ہے (اور دنیا کے) سارے اندیشوں سے بے فکر ہو کر صرف
ایک ہی دُھن (تزکیۂ نفس کی فکر) میں لگا ہوا ہے، وہ گمراہی کی
حالت اور خواہشاتِ نفسانی میں حصّہ لینے سے دور ہے، وہ ہدایت
کے ابواب کھولنے اور ہلاکت و گمراہی کے دروازے بند کرنے کا

ذریعہ بن گیا ہے (یعنی اُس کی زندگی اتنی پاکیزہ اور معیاری ہے کہ اُس کے ذریعے سے حق و ہدایت کے راستے کُھلے رہتے ہیں اور گمراہی کے راستوں کو اپنے محکم دلائل اور واضح براہین کے ذریعے سے وہ بندۂ خدا مسدود کرتا جاتا ہے۔)

وہ راہِ ہدایت کو اچھی طرح پہچان کر اُسی پر گامزن ہے۔ (ہدایت کے) مناروں کو پہچان چکا ہے اور (قلزمِ حیات) کی دھاروں کو طے کر کے اُس تک پہونچ گیا ہے (اہلِ بیت طاہرین کی تاسی و پیروی کے) محکم وسیلوں اور مضبوط سہاروں کو اُس نے تھام لیا ہے، وہ یقین کی وجہ سے ایسے اُجالے میں ہے جو سورج کی چمک دمک کے مانند ہے۔

وہ صرف اللہ کی خاطر سب سے اونچے مقصد کو پورا کرنے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا ہے تاکہ جو مشکل اُس کے سامنے آئے اُسے مناسب طریقے سے حل کر دے، ہر فرع کو اُس کے اصل ماخذ کی طرف پلٹا دے ــــ وہ تاریکیوں میں روشنی پھیلانے والا، مشتبہ باتوں کو حل کرنے والا، اُلجھے ہوئے مسئلوں کو سلجھانے والا، گُتھیوں کو دور کرنے والا اور لق و دق صحراؤں میں راہِ (ہدایت) دکھانے والا ہے۔

وہ بولتا ہے تو پوری طرح سمجھا دیتا ہے اور کبھی خاموش رہتا ہے جب چُپ رہنے میں ہی سلامتی ہو۔ اُس نے ہر کام اللہ کے لیے اخلاص کے ساتھ کیا تو اللہ نے بھی اُسے اپنا بنالیا۔ وہ گویا دینِ خدا کا معدن ہے اور (دین کی خاطر) اُس کی زمین میں گڑی ہوئی میخ کی طرح ہے (کہ چاہے کچھ ہوجائے وہ دینداری اور تقویٰ و پرہیزگاری کے راستے سے ہٹ نہیں سکتا) اُس نے اپنے لیے عدل کو لازم قرار دے لیا ہے اور اُس کے عدل کا پہلا قدم یہ ہے کہ (بیجا) خواہشات کو اپنے نفس سے دور رکھتا ہے، حق کو بیان کرتا ہے تو اُس پر عمل بھی کرتا ہے کسی نیکی کی حد ایسی نہیں ہے جس کا اُس (بندۂ خدا) نے ارادہ نہ کیا ہو اور کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں نیکی کا امکان ہو اور اُس نے قصد نہ کیا ہو (کیونکہ وہ ہر آن، ہر حالت میں، ہر مقام پر اور ہر جگہ نیکی و خیر کا متلاشی رہتا ہے۔)

اُس نے اپنی (زندگی کی) باگ ڈور قرآن مجید کے ہاتھوں میں دے دی ہے، اب وہی اُس کا رہبر اور اُس کا پیشوا ہے، جہاں اُس کا سامان اُترتا ہے وہیں یہ بھی اپنے اسباب اُتارتا ہے اور جہاں اس کی منزل ہوتی ہے وہیں یہ بھی اپنا پڑاؤ ڈال دیتا ہے (تاکہ اس کا ہر قول و قرآن کے مطابق ہوجائے) [1]

---

[1] ملاحظہ فرمایئے نہج البلاغہ حصہ اوّل خطبہ ۸۵ ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب مرحوم

امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے اِس ارشادِ گرامی پر غور کیجیے اور پھر اُن تمام حضرات سے دریافت کیجیے جنھوں نے اپنی زندگی میں کبھی بھی سرکارِ آیت اللہ سید حسن صاحب اعلی اللہ مقامہٗ سے ملاقات کی ہو تو وہ اس بات کی حرف بحرف تصدیق کریں گے کہ سرکارِ عالی وقار کی پوری زندگی ان ہی کلمات کے سایے میں پروان چڑھی اور آپ نے تقویٰ و پرہیزگاری کو اپنی زندگی کا ایسا لباس بنالیا تھا اور اپنی ذات کو تقدس و پارسائی کا ایسا نمونہ بنایا کہ دیکھنے والوں کو سیرتِ ائمہؑ کی جھلک نظر آجائے۔

اور ائمۂ طاہرین علیہم السّلام نے علمائے حق کی شان یہی بیان کی ہے کہ اُن کے اندر تقویٰ و پرہیزگاری اس قدر اعلیٰ درجے کی ہوگی کہ گویا اُن کے کردار میں عصمت کی تجلّی دکھائی دے گی۔

اور علمِ دین کے لیے تو تقدس و پارسائی ایسا بنیادی وصف ہے کہ استاذ العلماء والمجتہدین حضرت آقائے شیخ مرتضیٰ انصاری علیہ الرحمہ نے علمِ دین کے سلسلے میں اُسے بنیادی شرط قرار دیا ہے، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ:

"تعلیم و تربیت کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ انسان کے اندر خیر

کی پوشیدہ صلاحیتوں کو اُجاگر کیا جائے، اُس کے جوہرِ خوابیدہ کو بیدار کر کے اُنھیں بروئے کار لایا جائے، اور اُنھیں صحیح نتائج مرتّب کرنے کے قابل بنا دیا جائے (اِس کے برخلاف) جو تعلیم ایسی نہ ہو وہ نوشت و خواندگی تو سکھاتی ہے مگر انسانی تربیت نہیں کرتی۔ جبکہ تزکیۂ نفس کو انبیاء کا شعار قرار دیا گیا ہے اور "تزکیہ" کے معنی ہیں: نشو و نما دینا، بالیدگی کی صلاحیت پیدا کرنا، اوپر اُبھارنا، آگے بڑھانا۔ وغیرہ ہے جس طرح ایک پودے کی نشو و نما کے لیے اُس کے مساعد ماحول مہیا کرنا ہوتا ہے، جو چیزیں اس کی بالیدگی میں ممد و معاون ثابت ہوں وہ فراہم کردی جائیں اور اُن موانع کو دور کردیا جائے جو اُس کی بالیدگی کی راہ میں حائل ہوں، اسطرح اُس بیج کے اندر جس قدر صلاحیتیں موجود ہیں اُنھیں سر اُبھارنے کا موقع مل جائے گا اور یہی ننھا سا بیج تناور درخت بن جائیگا۔[1] اسی طرح نفسِ انسانی کی بالیدگی و تزکیہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ تقویٰ و پرہیزگاری کی راہوں کو اپنایا جائے، راستبازی

---

[1] معراجِ انسانیت ص ۳۳۲ مع اضافہ

کو زندگی کا شعار بنایا جائے، نفس کو حسنات کا خوگر اور سیئات سے متنفّر بنایا جائے، سیرت میں آل محمّدؐ کی تعلیمات کی جھلک پیدا کی جائے اور کردار کو خشیتِ الٰہی کا نمونہ بنا کر رضائے پروردگار کی راہوں کو طے کیا جائے کیونکہ سیرت و کردار کی عظمت انسان کے دل میں وہ روشنی ایجاد کرتی ہے جس کے ذریعے سے خدا کی معرفت اور کائنات کے شعور میں مسلسل اضافہ ہوتا ہے اور جیسا کہ ایک مشہور مغربی مفکّر کا قول ہے:

... "جس شخص میں کائناتی شعور بیدار ہو جاتا ہے اُس کے ادراک میں ایک ایسی نورانیّت پیدا ہو جاتی ہے جسے ہم الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے۔ اس انسان کے شعور کے سامنے کائنات کا مقصود و مفہوم، بجلی کی سی چمک کے ساتھ، غیر مبہم طور سے بے نقاب ہو جاتا ہے ــــ وہ اس حقیقت کو محض عقیدتاً نہیں مانتا بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے کہ یہ عظیم القدر کائنات جو عام نگاہوں میں، ایک غیر ذی حیات مادّے کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں، فی الحقیقت حیات مشہود ہے، اور وہ شخص اِس بات کا مشاہدہ کر لیتا ہے کہ ... کائنات جو کچھ دکھائی دیتی ہے فی الحقیقت ایسی نہیں ہے اس میں جن باتوں کو دراصل اہمیّت

دینی چاہیے وہ، وہ نہیں ہیں جنھیں عام طور سے اہمیت دی جا رہی ہے — اِس طرح اُس شخص کے نزدیک زندگی کی اقدار اور حقیقت سے متعلق اُس کے شعور کے تمام تصوّرات بدل جاتے ہیں...

اس کائناتی شعور کی بیداری کے بغیر زندگی میں نظم و ربط ناممکن ہے۔ ایک عرصۂ دراز سے مادّے کے ڈھیر کے نیچے دبے ہوئے انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ محض اپنی چالاکی کے زور پر دنیا میں زندہ رہا جا سکتا ہے، لیکن آہستہ آہستہ یہ حقیقت ان پر منکشف ہوتی جا رہی ہے (کہ اس مادّی کائنات کے پیچھے کوئی عظیم طاقت کارفرما ہے جس کا شعور اُن ہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے) جنھیں فطرت نے نگاہِ بینا عطا کی ہے کہ محض عقلی منطق سے زندگی میں نظم نہیں پیدا کیا جا سکتا۔[۱] (بلکہ اس صالح نظام کو چلانے کے لیے ایسے صالح افراد کی ضرورت ہے جو سیرت کی بلندی اور کردار کی پختگی کی منزل پر فائز ہوں۔)

اسی لیے اسلامی معارف کے اندر یہ بات ایک حقیقتِ ثابتہ کی حیثیت رکھتی ہے کہ تعلیم کا مقصد انسان کو صرف کسی ہنر سے

---

[۱] حوالے کے لیے ملاحظہ فرمائیے انسانی معاشرہ و حیات سے متعلق مشہور تالیف:
OUSPENSKY IN TERTIUM ORGANUM (بحوالہ معراجِ انسانیت صفحہ ۱۵۲)

روشناس کرانا نہیں ہے بلکہ اس کے نفس کی تربیت کرکے اُسے ایک صالح انسان بنانا ہے، جیساکہ حضرت شیخ الرئیسؒ نے فرمایا ہے کہ:

"کوئی شخص چاہے کتنا ہی علم حاصل کرے، جبتک عبادت وریاضت اور تقوٰی و پرہیزگاری کے ذریعے اپنے اندر "قوتِ طیبہ" اور "ذوقِ آگہی" پیدا نہ کرلے اُس وقت تک اُس میں خوشبوئے فقاہت پیدا نہیں ہوسکتی اور خدانخواستہ اگر عالم وفقیہ تقوٰی و پرہیزگاری سے محروم ہو تو نہ صرف یہ کہ وہ دین ومذہب اور قوم وملت یا اسلام وشریعت کی کوئی خدمت کرنے سے قاصر ہے بلکہ درحقیقت ایسے شخص کا وجود پوری انسانی سوسائٹی کے لیے نقصان دہ ہے جیساکہ امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

"فان العالم العامل بغیر علمه کالجاهل الحائر الذی لا یستفیق من جهله بل الحجة علیه اعظم والحسرة له الزم وهو عند الله الوم"۔ [1]

یعنی: (وہ عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا اُس سرگرداں جاہل کے مانند ہے جو جہالت کی غفلت سے ہوش میں نہیں آتا بلکہ اس کے خلاف (اللہ کی) حجت زیادہ ہے اور حسرت وافسوس اس کیلئے زیادہ لازم ہے اور وہ خدا کے نزدیک زیادہ ناپسندیدہ ہے)

---

[1] ملاحظہ ہو نہج البلاغہ (حصہ خطبات) خطبہ ۱۰۵ صفحہ ۳۱۶ طبع لاہور

اور نجفِ اشرف و کربلائے معلّٰی کی مقدس دینی درسگاہوں کا نصب العین ہی یہ رہا ہے کہ صاحبانِ علم کو سیرت و کردار کی اُس بلندی پر فائز کیا جائے کہ اُن کی زندگی کردارِ اہلِ بیت ؑ طاہرین کا جیتا جاگتا نمونہ بن جائے، اِس لیے ان مقدس درسگاہوں میں وہی صاحبانِ علم قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں جو علم اور تقویٰ میں ممتاز ہوں۔

حضرتِ آیت اللہ سید حسن رضوی علیہ الرحمہ جنھوں نے ایک مقدس علمی خاندان میں آنکھ کھولی اور خالص دینی و مذہبی ماحول میں پروان چڑھے، اپنی خدا داد صلاحیتوں اور تقویٰ و پرہیزگاری کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہونے کی وجہ سے ان مقدس درس گاہوں میں بھی نہایت ممتاز حیثیت کے مالک رہے۔

کربلائے معلّٰی جو دنیا بھر سے آنے والے شیعیانِ حیدرِ کرار کا مرکزِ عقیدت رہا ہے، اس شہر میں وارد ہونے والے زائرین کرام جب سرکار موصوف کی خدمت بابرکت میں حاضری کا شرف حاصل کرتے تھے تو درحقیقت ایک ایسی مقدس بارگاہ میں حاضری کی سعادت حاصل کرتے تھے جہاں علم بھی نقطۂ کمال پر تھا اور تقدس و پارسائی بھی۔

وطن واپسی

عراق کے مقدس مقامات پر تحصیلِ علم کے بعد جب آپ اپنے وطنِ مالوف واپس تشریف لائے تو آپ کے استقبال کے لیے اہلِ لکھنؤ کا ایک سیلاب اُمنڈ آیا جو دیدہ و دل فرشِ راہ بنے ہوئے تھے اور عرصے سے منتظر تھے کہ آپ اُن مقدس بارگاہوں سے واپس آئیں تو اہلِ وطن آپ کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوں۔ چنانچہ آپ کی واپسی پر عمائدینِ شہر اور جملہ اہلِ ایمان نے خصوصی مسرّت کا اظہار کیا، گویا عرصۂ دراز سے اُن کے دل میں آپ کی زیارت اور کسبِ فیض کی جو تمنا پروان چڑھ رہی تھی اُس کی تکمیل کا وقت آگیا۔

آپ نے لکھنؤ پہونچنے کے بعد ایک طرف جامعہ سلطانیہ سلطان المدارس میں درس و تدریس کی ذمّے داریاں سنبھالیں جہاں تشنگانِ علم و معرفت آپ کی محکم استدلال سے فیضیاب ہوتے تھے تو دوسری طرف پورے شہر میں مجالسِ وعظ و نصیحت کا سلسلہ شروع ہوا جن میں حاضری کا شرف حاصل کرنے والے

اہلِ ایمان اپنی جھولیوں کو آلِ محمدؐ کے جواہر پاروں سے بھر کر واپس جاتے تھے۔

جامعہ سلطانیہ سلطان المدارس میں اُس زمانے میں جن طلابِ علم نے آپ سے کسبِ فیض کیا وہ اپنے اپنے زمانے کے نہایت جلیل القدر علمائے دین کی حیثیت سے ممتاز شخصیّت کے مالک بنے۔ [1]

ان تشنگانِ علم و معرفت کا بیان ہے کہ سرکار موصوف جب مسندِ علم پر جلوہ افروز ہوتے تھے تو جس درجے کے بھی مبتدی یا منتہی طالبِ علم کو کسی قسم کی علمی گتھی پیش آتی وہ بلا جھجک سرکارِ مرحوم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مسئلہ پیش کرتا اور آپ اُس گتھی کو ایسے بلیغ انداز سے سلجھاتے اور ایسے شیریں انداز سے اُس طالبِ علم کو سمجھاتے کہ اُس کے ذہن کے تمام دریچے کھُل جاتے اور وہ فرحت و انبساطِ قلب کے ساتھ واپس جاتا۔

برادرِ معظم عالیجناب مولانا سیّد محمد باقر نقوی صاحب (مدیرِ اصلاح) اعلی اللہ مقامہٗ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

"یوں تو میں نے بکثرت علمائے دین سے کسبِ فیض کیا ہے"

---

[1] جن کی مختصر فہرست اس کتاب کے آخر میں پیش کی جا رہی ہے (مولف)

لیکن سرکار شریعتمدار استاذی العلّام مولانا سید حسن رضوی صاحب کے سمجھانے کا انداز اور طلبہ کے ساتھ اُن کی شفقت و محبت نہایت منفرد ہوا کرتی تھی۔ اوقاتِ درس کے علاوہ بھی اگر مجھے دورانِ مطالعہ کسی کتاب کی کسی عبارت میں کوئی مشکل پیش آتی، تو میں بلا تردّد سرکار عالی وقار کی خدمت میں پہونچ گیا۔ اور آپ اِس قدر شفقت سے پیش آتے تھے کہ اگرچہ میں آپ کے اوقاتِ استراحت میں مُخل ہی کیوں نہ ہوا ہوں، جب میں درِ دولت پر حاضر ہوتا، خود دروازے پر تشریف لاتے۔ نشست گاہ میں مجھے بٹھاتے کمالِ محبت سے میری خیریت پوچھتے اور پھر آنے کا سبب دریافت فرماتے۔

میں اپنی مشکل کو پیش کرتا اور کتاب کا متعلقہ صفحہ سرکار کے سامنے رکھ دیتا، آپ اُس عبارت کو دوبارہ پڑھنے کی تاکید فرماتے، پھر اُس جملے کے اندر علم صرف و نحو اور معانی و بیان کی جو لطافتیں ہوتیں اُن کی طرف توجّہ دلاتے اور پھر فرماتے کہ آپ نے اس سلسلے میں جو قواعد پڑھے ہیں اُنھیں ذہن میں حاضر کر کے اس عبارت پر غور کیجیے۔

میں جب غور کرتا اور سرکار کے بتائے ہوئے اسلوب کے

مطابق تعمق کرتا تو وہ گتھی فوراً سلجھ جاتی، اور اگر غور و فکر کے بعد بھی میں اُس عبارت کا مطلب سمجھنے سے قاصر رہتا تو سرکار موصوف ایسے بلیغ انداز اور متین لہجے میں اُس عبارت کا مطلب سمجھاتے کہ ایک ایک لفظ ذہن نشین ہو جاتا۔"

اِسی طرح شہر لکھنؤ میں جہاں جہاں مجالسِ وعظ و نصیحت سے خطاب کرنے کے لیے آپ تشریف لے جاتے وہاں کے مومنین آپ کے خطاب کو علم و معرفت کا ایک گلدستہ اور آپ کی شخصیت کو علومِ ربانی کا ایک بحرِ ذخار پاتے۔

حقیقت یہ ہے کہ خطابت اور قوتِ گویائی پروردگارِ عالم کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے اور اس کا صحیح استعمال ہی اس نعمت کا بہترین شکریہ قرار دیا گیا ہے۔

پروردگارِ عالم نے سورۂ مبارکہ " الرَّحْمٰن " میں اپنی اَن گنت نعمتوں کا تذکرہ کیا ہے اور بار بار بنی نوعِ انسان اور قومِ جنات دونوں سے یہ سوال کیا ہے کہ:

" فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰن "

(تم دونوں اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے) ؟

لیکن اِس سورۂ مبارکہ میں خلقت انسان کے تذکرے
کے بعد پروردگار نے اپنی نعمتوں میں سے جس نعمت کا سب سے
پہلے تذکرہ کیا ہے وہ یہی قدرتِ بیان ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے
"اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَہُ
الْبَیَانَ ۔ (سورۃ الرحمٰن آیت ۱تا۴)
(رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی انسان کو پیدا کیا اور
اُسے بیان (کا طریقہ و سلیقہ) سکھایا۔)
اور خطابت اسی قوتِ بیان کی شوکت و رفعت اور
حسین و جمیل صنعت گری کا نام ہے۔ اور سب سے زیادہ
کامیاب خطیب اُسے سمجھا جاتا ہے جو اپنے مقصد و مدعا کو بہتر
سے بہتر انداز میں ادا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہو۔
لیکن مذہبی و دینی نقطۂ نظر سے کامیاب خطیب
اُسے قرار دیا جائے گا جو خدا و رسولؐ اور حضرات ائمۂ طاہرین
علیہم السلام کی تعلیمات کو مؤثر انداز میں سامعین تک پہونچانے
اور ان کے اندر روحِ عمل بیدار کرنے میں کامیاب ہو۔
اور سرکارِ عالی وقار مولانا سیّد حسن صاحب اعلی اللہ مقامہٗ
کی تقریروں میں یہ دونوں پہلو بدرجۂ اتم موجود تھے۔

آپ اپنے مقصود و مدّعا کو بہتر سے بہتر انداز میں پیش کرنے کی بھرپور صلاحیت بھی رکھتے تھے اور سامعین کے اندر روحِ عمل بھی نہایت مؤثّر انداز سے بیدار کرتے تھے۔ آپ کی تقریروں میں ایسی جاذبیّت، بیان میں ایسی سلاست، نکات میں ایسی پاکیزگی و لطافت، الفاظ میں ایسی فصاحت اور معانی میں اتنی بلاغت ہوتی تھی کہ دور دراز سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ جوق در جوق آپ کی تقریر سُننے کے لیے جمع ہوجاتے تھے اور اپنی جھولیوں کو علم کے جواہر سے پُر کرکے، اور اپنی روح میں حرارتِ عمل پیدا کرکے واپس جاتے تھے۔

اور ایک فرض شناس عالمِ دین کی حیثیت سے آپ ہر آن یہ فکر رہتی تھی کہ آپ کی مجالس میں شرکت کرنے والوں کے اندر روحِ عمل بیدار ہو، اُن میں مذہبی احکام کی اہمیت کا احساس پیدا ہو اور وہ شریعت کے قوانین کے مطابق زندگی گذار کر دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود حاصل کریں۔

چنانچہ لکھنؤ میں مجالسِ عزا سے خطاب ہو یا کربلائے معلّٰی میں سیّد الشہداء کے جوارِ مقدّس میں سیّدۂ عالمین کو اُن کے نورِ نظر کا پُرسہ دینا، آپ کی مجالس میں فضائل و مناقب کے

ساتھ ساتھ وعظ و نصیحت کا پہلو نمایاں رہا کرتا تھا اور زبان میں ایسی تاثیر تھی کہ مختصر ترین وقت کے اندر بھی مجلس کا کوئی پہلو تشنہ نہیں رہتا تھا اور فضائل و مصائب، دونوں کا حق ادا ہو جاتا تھا۔

اہلِ ایمان کے لیے آپ کی مجالس میں ایک خصوصی کشش تھی۔ لوگ بیتابی سے منتظر رہا کرتے تھے کہ سرکارِ مرحوم کے خطاب کا اعلان ہو اور وہ اس روح پرور اجتماع میں شرکت کی سعادت حاصل کر کے جناب خاتونِ جنت کو اُنکے نورِ نظر کا پُرسہ بھی دیں، فضائل و مناقب کے نئے نئے گوشوں سے اپنے دل و دماغ کو منور بھی کریں اور روح کی بالیدگی کا سامان حاصل کر کے متاعِ زیست کو گراں مایہ بھی بنائیں۔

کربلائے معلّٰی کی طرف مراجعت

تحصیلِ علم کے دوران آپ کو عراق کی مقدس سرزمین سے وابستگی پیدا ہو چکی تھی اور جوارِ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی قربت جسم و جاں کے رگ و ریشے میں اس طرح رچ بس گئی تھی کہ ہندوستان میں آپ کا دل نہ لگا، اور وہاں درس و تدریس اور خطابت و وعظ و نصیحت کی بے پناہ مصروفیات کے باوجود آپ کا دل اُسی حریم قُدس سے وابستہ رہا کرتا تھا جس کی قربت میں آپ نے تکمیلِ معارف کی سعادت حاصل کی تھی۔

نجفِ اشرف ہو یا کربلائے معلّٰی، دونوں شہروں میں رہنے والے علماء، فقہاء اور طلبہ و محصلین کو یہ سہولت حاصل رہتی ہے کہ درس سے پہلے اور درس کے بعد حرمِ مقدس میں حاضر ہو کر روح کی بالیدگی کا سامان فراہم کر لیتے ہیں، دورانِ مطالعہ بھی کبھی طبیعت پر عبارتوں کی سنگینی بار ہوئی تو کتاب کو بند کیا وضو کر کے حرمِ مقدس پہونچے، امام کے روضۂ اقدس کی

زیارت کی تو از سرِ نو فرحت و انبساط حاصل ہوگئی، اور جیسا کہ شیخِ رئیس حضرت آقائے شیخ مرتضیٰ انصاری علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ:

"جب کسی علمی کتاب کا کوئی مضمون پیچیدہ محسوس ہوا، اور کوشش کے باوجود مطلب تک ذہن کی رسائی نہ ہوسکی تو کتاب بند کردی، وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی اور الحاح و زاری کے ساتھ بارگاہِ معبود میں اپنی التجا کو پیش کیا ـــــ پھر نماز سے فارغ ہو کر اُسی کتاب کے اُسی صفحہ کی متعلقہ عبارت نکالی تو اُس کا مفہوم اتنا سہل نظر آیا کہ بسا اوقات خود اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آتا کہ کیا یہی عبارت ہے جو نماز سے پہلے اتنی مشکل نظر آتی تھی اور نماز کے بعد اسقدر سہل اور آسان نظر آتی ہے؟۔ سچ ہے کہ: ؎

نماز سے بشریّت عروج پاتی ہے
نماز عبد کو معبود سے ملاتی ہے

اور پھر اُس نماز کا کیا کہنا جو اُن ائمّہ طاہرین علیہم السّلام کے روضۂ اقدس کے اندر ادا کی جاتے جنھوں نے اپنی شہادت

اور قربانیوں کے ذریعے نماز کے احترام کو بھی بچایا اور دین اسلام کے جملہ ارکان کو بھی۔

خصوصاً کربلائے معلّیٰ کی وہ پاک و پاکیزہ سرزمین جہاں پر نواسۂ رسول، خامسِ آلِ عبا، سرکار سیّد الشہداء حضرت امام حسین علیہ السّلام نے اپنے بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں، فرزندوں اور اعوان و انصار کے ساتھ، دینِ خدا کی حفاظت کے لیے وہ منفرد اور عظیم الشّان قربانی پیش کی جس کی مثال نہ اس سے قبل کہیں ملتی ہے نہ اس کے بعد۔

وہ کاروانِ عشق و محبّتِ خداوندی جسے شاعرِ مشرق نے بارانِ رحمت سے مثال دیتے ہوئے بجا طور پر کہا ہے کہ:

بر زمینِ کربلا بارید و رفت
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

اور جس عظیم الشّان قربانی کی لازوال شان یہ ہے کہ:

تا قیامت قطع استبداد کرد
موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد

یعنی (امام عالی مقام علیہ السّلام نے جبر و استبداد کی شہ رگ کو قیامت تک کیلئے کاٹ دیا اور اُن کے

خون کی موجوں نے (حق و انسانیت کا ایک نیا)
چمن ایجاد کردیا۔ (ایسا چمن جس کی بہار ہمیشہ قائم
رہنے والی ہے اور جس پر خزاں کا کوئی حملہ کارگر نہیں
ہوگا۔)

کیونکہ سرکار سیّد الشہداء نے صرف دینِ خدا کی سربلندی کے لیے خاک و خوں میں غلطاں ہونا گوارا کیا، بقولِ شاعر ؎

بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است

(یعنی: سرکار سیّد الشہداء حضرت امام حسین علیہ السّلام صرف دینِ حق کی سربلندی کے لیے اپنی اور اپنے اعزّہ و اقارب اور جاں نثاروں کی عظیم الشان قربانی پیش کر کے خاک و خون میں نہا کر جامۂ شہادت کو زیبِ تن کر رہے تھے اور اِس طرح ان کی ذات کلمۂ توحید کا بنیادی ستون بن گئی۔)

اور یہی وجہ ہے کہ حق کا پرستار چاہے دنیا کے کسی علاقے میں زندگی گذار رہا ہو اُس کی روح کربلائے معلّٰی کی مقدس وادی کا طواف کرتی رہتی ہے یہاں تک کہ جب بادِ صبا اُس کے مشامِ جاں سے ٹکراتی ہے اور اُسے زندگی

کی شادمانیوں کا پیغام دیتی ہے تو وہ حق کا پرستار اُس
بادِ صبا سے کہتا ہے کہ:

اے صبا اے پیکِ دور اُفتادگاں
اشکِ ما برخاکِ پاکِ اُو رساں

(اے بادِ صبا! اے دور اُفتادہ لوگوں کے لیے "راہ سلسبیل"
ہمارے آنسوؤں کا نذرانہ امامِ عالی مقام علیہ السلام کے
پاک و پاکیزہ روضۂ اقدس تک پہونچا دے)

———— ۶ ————

چنانچہ کربلائے معلّٰی کی سرزمین سے یہی والہانہ
عشق، اور گہری محبت اس بات کا سبب بنی کہ حضرت
آیت اللہ سرکار شریعتمدار مولانا سیّد حسن صاحب
اعلی اللہ مقامہٗ نے سنہ ۱۹۵۱ء میں لکھنؤ سے رختِ سفر
باندھا اور کربلائے معلّٰی کی مقدس سرزمین کو اپنی رہائش
کے لیے منتخب فرمایا۔

کربلائے معلّٰی عراق کا مقدس شہر بھی،
سیّد الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کا حرمِ مطہر
بھی، زائرین کا کعبۂ عقیدت بھی اور دنیا بھر کے

عاشقانِ اہلِ بیتؑ کا اہم ترین مرکز بھی ہے۔

نجف اشرف کے بعد عراق کی سرزمین علماء، فضلاء، اور طلبہ و محصلین کی سب سے بڑی تعداد بھی اسی مقدس شہر میں زندگی گذار رہی تھی اور جس زمانے میں جناب مولانا سید حسن صاحب اعلی اللہ مقامہٗ اس مقدس سرزمین پر وارد ہوئے ہیں، اُس وقت بہت بڑے بڑے مجتہدین اور مراجع تقلید کا وجود اس شہر کی علمی رونق اور تعلیمی پیشرفت میں مؤثر کردار ادا کر رہا تھا۔

ایسے موقع پر برِ صغیر سے آئے ہوئے کسی عالمِ دین کے لیے اثر و نفوذ پیدا کرنا نہایت دشوار تھا، لیکن یہ جناب سید حسن صاحب طاب ثراہ کی علمی وجاہت، تقوے پرہیزگاری، زُہد، پارسائی اور سیرت و کردار کی عظمت ہی تھی جس نے پورے اہلِ عراق کے دلوں میں جگہ بنائی، اور " جناب ہندی " اور " مجتہد ہندی " کے نام سے لوگوں میں آپ کی شہرت ہوئی۔ اہلِ نجفِ اشرف و کربلائے معلےٰ کی کثیر تعداد آپ کی تقلید کرتی تھی

مجالسِ ارشاد

عراق و ایران کی سرزمین پر زندگی گذارنے والے صاحبانِ علم میں جو فقہی ذوق رکھتے ہیں وہ وعظ و خطابت میں بہت کم حصہ لیتے ہیں اور جو صاحبانِ منبر ہیں اُن کی فقہی حیثیت بہت ہی واجبی سی ہوتی ہے لیکن سرکار مرحوم کو پروردگارِ عالم نے اِن دونوں مسندوں کا امین قرار دیا تھا، آپ فقہ و استنباط کے اُستاد اور ماہرِ فن ہونے کے ساتھ ساتھ وعظ و خطابت کے میدان کے بھی شہسوار تھے اور اِس اعتبار سے اُس سرزمین پر زندگی گذارنے والے صاحبانِ علم کے درمیان آپ خصوصی حیثیت کے مالک تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ نجفِ اشرف میں تحصیلِ علم کے سلسلے میں قیام کے دوران، جب ہلالِ محرم نمودار ہوتا تھا تو تقریباً تمام طلاب کرام کربلائے معلّی پہونچ جاتے تھے جہاں عزاداریٔ سیّد الشہداء کے ذریعے روح کی بالیدگی کا سامان فراہم کرتے تھے، فارسی، ترکی، پشتو، عربی، اُردو اور

متعدد زبانوں میں بہت کثرت سے مجالس عزاء منعقد ہوتی تھیں لیکن اُردو زبان کے شائقین کے لیے سب سے بڑی اور اہم ترین مجالسِ عزاء وہ ہوتی تھیں جو جناب مولانا سید حسن صاحب اعلی اللہ مقامہٗ کے گھر پر منعقد ہوتی تھیں اور ان میں آپ ہی خطاب فرمایا کرتے تھے۔

اس مجلسِ عزاء میں کربلائے معلّٰی کے مومنین کے علاوہ نجفِ اشرف کے علماء وطلبہ اور دنیا بھر سے آنے والے زائرین کرام کی بہت بڑی تعداد شریک ہوتی تھی اور آپ کے علمی بیان؛ سے ہر شخص فیضیاب ہوتا تھا۔

عشرۂ محرم کے علاوہ ایّام عزاء کے دوران جب بھی سرکار کے درِ دولت پر حاضری کا موقع ملتا اور دورانِ سال بھی جب خاص خاص مذہبی تاریخوں میں اہلِ بیت ؑ کے چاہنے والے کربلائے معلّٰی کی سرزمین پر حاضر ہوتے تو جناب کے شریعتکدے پر اہلِ ایمان کا روح پرور اجتماع نظر آتا، اور جب آپ جلوہ افروزِ منبر ہوتے تو آپ کے علمی جواہر پاروں سے اپنی زندگی کو سجانے اور سنوارنے کے لیے مومنین کا انبوہ کثیر جمع ہوجاتا۔

یہ مجالسِ عزاء علوم و معارف کا گہوارہ بھی ہوتی تھیں عقیدت و محبت کی سلسبیل بھی، ان میں حکمت و دانش کی گہرائی بھی ہوتی تھی، زبان و بیان کی شیرینی بھی، اہلِ ایمان یہاں وعظ و نصیحت کے ذریعے اپنی سیرت و کردار کے اصلاح کا سامان بھی حاصل کرتے تھے اور فضائل و مناقب حضرت محمد و آلِ محمد علیہم السّلام کے ذریعے روح کی بالیدگی بھی، اور طرزِ استدلال ایسا حکیمانہ کہ عام مومنین بھی فیضیاب ہو سکیں اور علماء و فضلاء اور طلّاب و محصلین بھی بھرپور استفادہ کر سکیں۔

طرزِ بیان

فنِ خطابت سے تعلق رکھنے والے حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ تقریر و خطابت میں طرزِ بیان کو کتنی اہمیت حاصل ہے، کیونکہ یہ طرزِ بیان کی شیرینی و لطافت ہی ہوتی ہے جو دور دراز سے شائقین کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور انھیں مقرر کا گرویدہ بناتی ہے، جس کے بعد مقرر کے لیے یہ ضروری

ہوجاتا ہے کہ اپنی اہم ترین ذمّے داریوں کی تکمیل کی بھرپور کوشش کرے، جو بات کہے دین و شریعت کے دائرے میں رہ کر کہے، جو نکتہ پیش کرے وہ حقیقت کی ترجمانی کر رہا ہو اور استدلال کے موقع پر جو نتائج بھی اخذ کرے وہ عقل و منطق کے مطابق بھی ہوں اور قرآن و حدیث کے موافق بھی۔

خاص طور سے قرآن کے سلسلے میں تو بے انتہا احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ یہ اتنی نازک منزل ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت کے بارے میں کوئی بات تفسیر و حدیث اور علمِ رجال کی کسوٹی پر پرکھے بغیر نہیں کہی جاسکتی تاکہ کہیں کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکل جائے جس کے نتیجے میں انسان: " مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَاْیِهٖ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ[1] " (الحدیث) کی زد میں آجائے۔

سرکار شریعتمدار مولانا سیّد حسن صاحب اعلی اللہ مقامہٗ مسندِ فقہ کے ورثہ دار بھی تھے اور منبرِ وعظ و ارشاد کے خطیب

---

[1] یعنی (جو شخص تفسیرِ قرآن اپنی رائے سے کرے پس وہ اپنا جگہ جہنّم میں بنالے۔)

عالی وقار بھی، اِس لیے آپ کی تقریروں میں فقیہانہ استدلال بھی ہوتا تھا، خطابت کی چاشنی بھی اور پھر لکھنؤ کی شیریں بیانی بھی، الفاظ میں شوکت، معانی میں بلاغت، مطالب میں نُدرت نکات میں لطافت اور بیان میں اتنی سلاست تھی کہ دور دراز سے تشنگانِ علم و معرفت جُوق در جُوق آپ کی تقریر سُننے کے لیے جمع ہو جاتے تھے۔

آپ کی ہر تقریر اِس عالی قدر اندازِ فکر کا مظہر ہوا کرتی تھی کہ:

"خطیب کے لیے منبر پر جانے کے بعد سامعین سے دادِ تحسین حاصل کر لینا ہی کمال نہیں ہے بلکہ دادِ تحسین کے حصول کے ساتھ ساتھ یہ دیکھنا بھی چاہیے کہ حقِ منبر کس حد تک ادا ہوا، لوگ احکامِ شریعت سے کس قدر باخبر ہوئے اُن کے اندر دینی احکام جاننے کا کتنا شوق پیدا ہوا اور وہ ایک باعمل مسلمان کی حیثیت سے زندگی گذارنے کے لیے ذہنی طور پر کتنے آمادہ ہوئے؟"

آپ کو یہ خداداد صلاحیت بھی حاصل تھی کہ اگر وقت میں وسعت ہو اور کسی مضمون کو دامنِ وقت کی وسعت کے لحاظ سے پھیلا دیں تو بھی تمام سامعین آخرِ وقت تک ہمہ تن گوش بنے ہوئے

کمالِ محویت کے ساتھ آپ کی تقریر سُنتے رہیں اور اگر دامنِ وقت کوتاہ ہو اور تنگیٔ وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ مطالب کو سمیٹ دیں تو کسی قسم کی تشنگی محسوس نہ ہو گویا "نہ اطناب مُمِل تھا اور نہ ایجازِ مُخِل" بلکہ مطالب کا ایک دریا تھا جسے کبھی تو اُس کی روانی کے ساتھ بہنے دیا اور جب ضرورت محسوس ہوئی اسے کوزے کے اندر بند کر دیا۔

عبادت و ریاضت

عبادت و ریاضت کا انسانی زندگی کے ارتقاء سے ایسا گہرا تعلق ہے کہ تمام انبیائے کرام اور آئمۂ طاہرین علیہم السّلام کی مصروفیاتِ حیات اِس بات کی نشاندہی کرتی نظر آتی ہیں کہ ان خاصانِ خدا کو سب سے زیادہ شوق جس چیز کا ہوتا تھا وہ عبادت ہی ہے اور جس کام میں آپ حضرات سب سے زیادہ لذّت محسوس کیا کرتے تھے وہ اپنے پروردگار سے مناجات ہے۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بعثت سے قبل غارِ حرا میں مسلسل مصروفِ عبادت رہا کرتے تھے اور بعثت کے بعد رات رات بھر جاگتے اور سجدوں پر سجدے

ادا کرتے، یہاں تک کہ پائے مبارک پر ورم پڑ جاتا اور خداوندِ عالم نے اعلان فرمایا کہ:

"طٰہٰ ۚ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۙ"

(طٰہٰ! (اے میرے پاک و پاکیزہ بندے!) میں نے آپ پر قرآن اس لیے تو نہیں اُتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔)

اور پھر سورۂ مزمّل میں قدرت نے ارشاد فرمایا کہ:

ترجمہ: (راتوں کو جاگنا (اور مصروفِ عبادت رہنا) اچھی بات ہے مگر کچھ دیر آرام بھی کر لیا کیجیے۔)

اِسی طرح آپؐ کے بعد آپؐ کے معصوم جانشینوں کی زندگی میں شوقِ عبادت اپنی انتہا کو نظر آتا ہے، یہانتک امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالبؑ علیہ السلام کی زندگی کا وہ دور جس میں آپ امامِ برحق ہونے کے ساتھ مسلمانوں کے حاکمِ اعلیٰ بھی تسلیم کیے جا چکے تھے، دن بھر لوگوں کے مسائل حل کرتے رہتے تھے اور رات کو جب ساری دنیا سو جاتی آپؑ مسجدِ کوفہ میں مصلّٰی بچھا کر مصروفِ عبادت ہو جاتے اور اکثر پوری رات عبادت میں ہی گذر جاتی۔

اِسی طرح امام حسنؑ و امام حسینؑ کی زندگی کا ہر دَور

عبادتِ الٰہی کا عظیم الشان نقشہ پیش کرتا ہے یہاں تک کہ جب ۹ محرم کو عصر کے وقت کربلا کے میدان میں عمرِ سعدؑ نے جنگ کا اعلان کر دیا تو امام عالی مقامؑ نے جناب عباسؑ علمدار کو عمرِ سعدؑ کے پاس بھیج کر ایک شب کی مہلت طلب کی جسے آپ اور آپ کے ساتھیوں نے عبادت الٰہی میں صرف کیا۔

پھر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی وہ زندگی کہ خود بھی پابندِ سلاسل ہیں اور ماں بہنیں اور پھوپھیاں بھی اسیر ہیں، مگر زندانِ شام میں بھی آپ کی نمازِ تہجد قضا نہیں ہوتی تھی ..... اسی طرح ہر امامؑ کی زندگی کا مطالعہ کیجئے تو عبادت کا شوق نقطۂ کمال کو نظر آتا ہے۔

سلسلۂ امامت میں ہمارے ساتویں امام حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زندگی کا بیشتر حصہ قید خانوں میں گذرا ہے..... لیکن جب بھی آپ کو قید کر کے کسی زندان میں رکھا جاتا تو آپ اُس زندان کے دروازے پر سربسجود ہو جاتے اور خداوند عالم کی بارگاہ میں شکر ادا کرتے کہ معبود! مجھے یہاں وہ تنہائی مل گئی کہ میں زیادہ سے زیادہ تیری عبادت کر سکوں ...... اور صرف ائمۂ طاہرینؑ ہی نہیں بلکہ اس خاندان کے دیگر افراد

کے اندر بھی شوقِ عبادت کا کچھ اسی قسم کا انداز ملتا ہے یہاں تک کہ فرزندانِ مسلم جو نہایت کمسن کہے جاتے ہیں لیکن جب حارث ملعون انھیں گرفتار کر کے فرات کے کنارے لے گیا اور قتل کرنا چاہا تو اُن شہزادوں نے اُس سے صرف یہ درخواست کی کہ ہمیں اتنی مہلت دے دے کہ ہم دو دو رکعت نماز پڑھ لیں، اُس سفاک نے اجازت دی تو دونوں نونہالوں نے کمالِ خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھی اور اس کے بعد عروسِ شہادت سے ہمکنار ہو گئے۔

اور قرآن مجید نے بھی اپنے پیارے بندوں کی خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ "وہ راتوں کو جاگتے اور مصروفِ عبادت رہا کرتے ہیں۔

سرکار شریعتمدار مولانا سید حسن صاحب طاب ثراہ اپنے اب وجد کی سیرت طیبہ کا جیتا جاگتا شاہکار تھے، پھر کربلائے معلّٰی کی مقدس سرزمین پر سرکار سید الشہداء ؑ کے جوارِ مقدس میں زندگی گذارنے کی سعادت نصیب تھی، وہ کربلا جہاں امام عالی مقام کے آخری سجدے نے دنیا کے کروڑوں سجدوں کو سجا لیا۔

مولانائے مرحوم اپنے شوقِ عبادت کی تکمیل حرم مقدس کے اندر کرتے اور روز و شب کے مختلف اوقات میں گھنٹوں مصروفِ نماز و دعا و مناجات رہا کرتے۔ اکثر زائرین نے یہ منظر دیکھا ہے کہ صبح کی نماز کے وقت جب حرمِ مطہر کھلتا تو اس میں سب سے پہلے داخل ہونے والے آپ ہوتے اور رات کو جب حرم بند کیا جاتا تو وہاں سے اُٹھنے والوں میں سب سے آخری شخص آپ ہوتے یہاں تک کہ عراق کی زندگی کا وہ کٹھن اور آزمائشوں سے بھرا ہوا دور جو ۱۹۷۰ء سے آج تک کی طویل مدت پر محیط ہے جب تمام اہلِ ایمان پر عرصۂ حیات کو تنگ کر دیا گیا تھا اور خصوصاً غیر ملکی حضرات کے لیے قوانین نہایت سخت تھے یہاں تک کہ ان کے لیے گھروں سے نکلنا بھی ناممکن بنا دیا گیا تھا، سرکار مرحوم اکثر رات کی تاریکی میں تیرہ و تار گلیوں سے گذرتے ہوئے کسی نہ کسی طرح حرمِ مقدس میں پہنچ جاتے اور مصلائے عبادت بچھا کر اپنے خالق سے راز و نیاز میں مصروف ہو جایا کرتے تھے۔

اور سوائے اُن خون آشام دنوں کے جب کربلائے معلیٰ کی سرزمین اہلِ ایمان کے خون سے سرخ ہو رہی تھی بعض دنوں

کے ہاتھوں آلِ محمدؐ کے ماننے والوں کا قتلِ عام کیا جا رہا تھا، گھروں کو تاراج کیا جا رہا تھا، روضۂ مقدس پر راکٹوں سے بم برسائے جا رہے تھے، ضریحِ مقدس کو مسمار کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی لوگوں کو گھروں کے اندر سے گرفتار کرکے تہِ تیغ کیا جا رہا تھا، عراق کی جیلوں کو بے گناہ مومنین سے بھرا جا رہا تھا اور عراق کی پوری سرزمین پر درندگی و بربریت کا ایسا رقصِ ابلیسی جاری تھا کہ الامان والحفیظ.....

سرکار مرحوم تادمِ زیست حرمِ مطہر کے ایک گوشے میں مصروفِ عبادت نظر آئے اور زبانِ حال سے کہتے رہے کہ: اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ ۔ [۱]

---

[۱] بیشک میری نماز اور میری عبادت اور میری حیات اور میری ممات (سب کچھ) اللہ پروردگارِ عالمین کیلئے ہے

خشیّتِ اِلٰہی

پروردگارِ عالم نے اپنی کتاب مقدس (قرآن مجید) میں صاحبانِ علم کی توصیف ان الفاظ میں کی ہے کہ:

" اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا "

(یقیناً خداوندِ عالم سے اُس کے بندوں میں سے صرف صاحبانِ علم ہی ڈرتے ہیں۔)[1] (فاطر ۳۵: ۲۸)

اور یہ "خشیّتِ اِلٰہی" انسانیت کا وہ شرف ہے جو تمام خاصانِ خدا کی زندگی کا جوہر نظر آتا ہے بلکہ جس کا درجہ جس قدر بلند ہے اُسی قدر یہ وصف اُس ذات کے اندر

---

[1] یہ اردو زبان کے دامن کی کوتاہی ہے جس کی وجہ سے لفظ "خشیت" کا ترجمہ "ڈرنے" کے معنوں میں کیا جاتا ہے ورنہ صاحبانِ زبان و بیان جانتے ہیں کہ لفظ خشیت اُس خوف کیلئے استعمال ہوتا ہے جس میں الفت و محبت بھی پوشیدہ ہو اور عظمت و عقیدت بھی۔

نقطۂ کمال پر نظر آتا ہے۔

انبیائے کرام میں ہمارے نبی خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درجہ پیشِ خدا سب سے بلند ہے تو یہ صفت آپؐ کی ذاتِ اقدس میں انتہائی کمال کے مرتبے پر نظر آتی ہے۔ اسی طرح اولیاء و ائمہ میں مولائے کائنات امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ذات والاصفات سب سے بلند و بالا ہے تو خشیتِ خدا بھی آپ کی حیاتِ طیبہ میں سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے، یہاں تک کہ راوی کہتا ہے کہ:

"میں جب رات کی تاریکی میں مسجدِ کوفہ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ متقین کے پیشوا، مومنین کے امیر ہمارے امام حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام عبادتِ الٰہی میں اسطرح مصروف ہیں کہ قیام و قعود، رکوع و سجود اور تسبیح و تہلیل کا سلسلہ جاری ہے آنکھوں سے آنسو رواں ہیں اور جسمِ مبارک کی کیفیت یہ ہے کہ:

"یتململ کتململ السلیم" (جسم اِسطرح کانپ رہا ہے جیسے کسی موذی جانور نے اذیت پہونچائی ہو) زبانِ مبارک پر یہ جملے بھی ہیں:

" آہ آہ من قلة الزاد و بُعد السفر "[1]

جو دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی طویل زندگی کی خبر بھی دے رہے ہیں اور اپنے چاہنے والوں کو درس بھی، کہ اگلی زندگی کے لیے توشۂ راہ تیار کریں اور اُس طویل سفر کے لیے اُس کے شایانِ شان اسباب فراہم کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔

اکثر پوری رات گذر جاتی ہے اور مولائے کائنات کی عبادت کا سلسلہ اسی طرح جاری رہتا ہے، بلکہ بعض اوقات تو محویت کا ایسا عالم ہوتا تھا کہ دیکھنے والے اِس اندیشے میں پڑ جاتے تھے کہ کہیں روح قفسِ عنصری سے پرواز تو نہیں کر گئی !!۔

اور خشیتِ الٰہی کا یہی انداز آپؑ کے ان تمام معصوم فرزندوں کی حیاتِ پاکیزہ میں نہایت نمایاں انداز سے نظر آتا ہے جنھیں پروردگارِ عالم نے کائنات کا پیشوا (امام)، اُمّت کا رہنما، قوم کا ہادی اور اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا برحق جانشین قرار دیا تھا۔

---

[1] یعنی افسوس افسوس کہ زادِ راہِ آخرت کسقدر کم ہے اور سفرِ آخرت کتنا طویل ہے۔

اِس بات کی گواہی اپنوں نے بھی دی ہے اور غیروں نے بھی، یہاں تک کہ مستشرقین نے بھی اہلِ بیتِ طاہرین کے اس خصوصی وصف کا جا بجا تذکرہ کیا ہے!۔

اور "خشیت" سے ملتا جلتا مصدر "خشوع" ہے جس سے "خاشع" کا لفظ نکلا ہے اور سورۂ مومنون کی ابتداء میں ارشادِ قدرت ہے:

"قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ!" (سورۂ ۲۳ المومنون آیت ۱-۲)

(یقیناً فلاح پائی ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔)

"خشوع" کے اصل معنی ہیں کسی کے آگے جھک جانا، اظہارِ عجز و انکساری کرنا۔" اِس کیفیت کا تعلق دل سے بھی ہے اور جسم کی ظاہری حالت سے بھی، دل کا خشوع یہ ہے کہ آدمی کسی کی ہیبت اور عظمت و جلال سے مرعوب ہو، اور جسم کا خشوع یہ ہے کہ جب وہ اُس کے سامنے جائے تو سر جھک جائے، اعضاء ڈھیلے پڑ جائیں نگاہ نیچی ہو جائے، آواز

دب جائے، اور ہیبت زدہ ہونے کے وہ آثار اُس پر طاری ہوجائیں جو اِس حالت میں فطرتاً طاری ہوجایا کرتے ہیں۔ جبکہ آدمی کسی زبردست باجبروت ہستی کے حضور میں پیش ہو۔

نماز میں خشوع سے مراد دل اور جسم کی یہی کیفیت ہے اور یہی نماز کی اصل روح ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ "ایک مرتبہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے اور ساتھ ساتھ داڑھی کے بالوں سے کھیلتا جاتا ہے، تو آپؐ نے فرمایا:

لَوْ خَشَعَ قَلْبُهٗ خَشَعَتْ جَوَارِحُهٗ

(اگر اس کے دل میں خضوع وخشوع ہوتا تو اس کے جسم پر بھی خشوع کی کیفیت طاری ہوتی۔)[1]

کیونکہ خشوع کا اصل تعلق دل سے ہے۔ اگر دل اس کیفیت سے مالا مال ہوگا تو اُس کے آثار خود بخود جسم پر طاری ہوں گے۔

قرآن مجید نے اُن صاحبانِ ایمان کو کامیاب اور فلاح یافتہ قرار دیا ہے جو نماز ادا کرتے ہوں، اور صرف نماز پڑھنے پر

---

[1] ت ق ج ۳ ص ۲۶۱ ط دہلی۔

اکتفا نہ کرتے ہوں بلکہ دورانِ نماز اُن کا دل بھی خضوع و خشوع کی حالت میں ہو اور اُن کے اعضا و جوارح سے بھی اسی ایمانی اور روحانی کیفیت کا اظہار ہو رہا ہو جو خوفِ خدا کی واضح علامت اور تقویٰ کی نشانی ہے۔

اور "خشیتِ الٰہی"۔ اُس معرفتِ پروردگار کی مرہونِ منت ہے جس کے بغیر کسی عبادت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے کیونکہ "عبادت" صرف جسم کے اعضا و جوارح کو کسی خاص انداز سے حرکت دینے کا نام نہیں ہے، کہ انسان ذاتِ واجب اور اُس کی عظمت و جلالت کے تصور کے بغیر ہی جسمانی طور سے رکوع یا سجود کی حالت میں چلا جائے، بلکہ ذاتِ واجب کی عظمت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اُس کے فرمان کے مطابق اعمال کی بجا آوری کا نام عبادت ہے۔

جس شخص کے دل میں اُس کی جلالتِ قدر جتنی زیادہ ہوگی اور جو شخص معرفتِ خدا کی منزل میں جتنا کامل ہوگا اُس کے اندر خشیتِ الٰہی اُتنی ہی زیادہ ہوگی، بلکہ شاید یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ کسی شخص کی خشیتِ الٰہی دیکھ کر ہی اُس کی معرفت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اور چونکہ صاحبانِ علم و تبلیغِ دین کے سلسلے میں انبیاءؑ و ائمہؑ کی وراثت کے اہل قرار دیے گئے ہیں اِس لیے اُن کے اندر اس وصف کا پایا جانا ایک بنیادی شرط قرار دیا گیا ہے، اور حقیقت تو یہ ہے کہ جو شخص فکر و تدبّر اور عبادت و ریاضت کی راہوں پر چلتے ہوئے معرفتِ پروردگار کے منازل کو جس قدر طے کرتا جائے گا اسی قدر یہ وصف اُس کی زندگی میں نمایاں سے نمایاں تر ہوتا جائے گا، اور جس قدر کسی عالمِ دین کی زندگی میں خشیّتِ پروردگار کا وصف نمایاں ہو اُسی قدر اُس کے قول و عمل پر لوگوں کا اعتبار بڑھتا جاتا ہے۔

اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ جس شخص کی ذاتی زندگی میں خوفِ خدا نظر نہ آتا ہو، اُس کی دینی و مذہبی باتوں پر لوگوں کو اعتبار کیسے آئے گا؟ —— یہی وجہ ہے کہ دینی علوم کے سلسلے میں، بلکہ کسی بھی مذہبی منصب کے سلسلے میں "خشیّتِ پروردگار" کو ہر دور میں ایک بنیادی وصف کی حیثیت حاصل رہی ہے خصوصاً نجفِ اشرف اور کربلائے معلّیٰ اور ہمارے دیگر علمی مراکز میں تو اُسی عالمِ دین کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا جو خوفِ خدا اور خشیّتِ الٰہی کے نمایاں مرتبے پر فائز ہو۔

اور سرکار شریعتمدار مولانا سید حسن صاحب اعلی اللہ مقامہٗ
کو جن لوگوں نے بھی قریب سے دیکھا ہے وہ اِس بات کی گواہی دیں گے
کہ سرکار مرحوم کی ذات خوف و خشیتِ الٰہی کا ایک جیتا جاگتا
نمونہ تھی، چاہے وہ مسندِ درس پر بیٹھے ہوئے طلاب کرام کو کسی علمی
کتاب کی عبارتوں کا مطلب سمجھا رہے ہوں یا محرابِ عبادت میں
وعظ و نصیحت فرما رہے ہوں یا منبرِ حسینؑ پر ذکرِ محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام
کی سعادت حاصل کر رہے ہوں یا اپنے بیت الشرف میں نجی محفل
میں صاحبانِ ایمان سے ملاقات فرما رہے ہوں۔ آپ کے ہر قول،
ہر عمل، ہر انداز، ہر جنبشِ زبان . . . غرض رفتار و گفتار اور
سیرت و کردار کے ہر پہلو سے خوف و خشیتِ الٰہی آشکار تھی۔

اور طلبہ و محصلین جو آپ کی خدمت میں کسبِ فیض کے
لیے حاضری دیتے تھے، اُن کو بھی اِس بات کی مسلسل تاکید فرمایا کرتے
تھے کہ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ اس پہلو کو بھی نظر انداز نہ کریں تاکہ
جیسے جیسے علمی مدارج طے کرتے جائیں خوف و خشیتِ الٰہی کی منزل میں بھی
نمایاں سے نمایاں حیثیت اختیار کرتے جائیں اور قرآن کی اِس آواز کو
اپنی زندگی کا شعار بنائیں کہ :

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَٰٓؤُا

حُسنِ اخلاق

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں کے اندر عبادت و ریاضت کا شوق زیادہ ہو وہ گوشہ نشینی کی زندگی کو پسند کرتے ہیں، اور اپنے ابنائے نوع سے ملنا جُلنا زیادہ گوارا نہیں کرتے، اور اگر کبھی ملنا ہی پڑ جائے تو اس ملاقات کو اپنے اوپر "بار" محسوس کرتے ہیں، کیونکہ اُن کے خیال میں اس قسم کی ملاقاتیں تضیعِ اوقات کا سبب بنتی ہیں اور اتنی دیر تک اُنھیں عبادت و ریاضت اور نماز و تلاوت وغیرہ سے محروم کر دیتی ہیں، اِس لیے وہ چاہتے ہیں کہ: حتّی الامکان لوگوں سے ملنا ہی نہ پڑے اور اگر ملاقات ہو ہی جائے تو مختصر ہو اور جلد ختم ہو جائے تاکہ ان کی اُکتاہٹ تمام ہو اور وہ سکون سے یادِ الٰہی میں مصروف ہو جائیں۔

جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عام طور پر لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملنے کی عادت سے محروم ہوتے جاتے ہیں کیونکہ جس سے خندہ پیشانی سے ملیں گے وہ بار بار ملنا چاہے گا

اور بار بار کی یہ ملاقات اُن کی عبادت میں خلل ڈالے گی جس سے بچنے کے لیے وہ لوگ "خندہ پیشانی" کو ترک کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ یہ بات اُن کی عادتِ ثانیہ بلکہ طبیعت کا جُزو بن جاتی ہے۔

لیکن یہ طریقِ کار اسلام کی اُن آفاقی تعلیمات سے ہم آہنگ نہیں ہے جن میں حُسنِ اخلاق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور خندہ پیشانی سے لوگوں سے ملاقات کو ایک اہم انسانی اور اسلامی فریضہ قرار دیا گیا ہے اور پروردگارِ عالم نے اپنے حبیبؐ اور انسانیت کے تاجدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ:

"وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ."

(یقیناً آپ خُلقِ عظیم پر فائز ہیں)

— اور متعدد احادیث میں مسلمانوں اور صاحبانِ ایمان کو ہدایت کی گئی ہے کہ:

"اپنے دینی بھائی سے مسکرا کر اور خندہ پیشانی سے ملاقات کرنا بھی گویا ایک عبادت ہے۔" [۱]

(مفہومِ حدیث)

عالیجناب مولانا سید حسن صاحب طاب ثراہ، اگرچہ ایک طرف عبادت و ریاضت کا اتنا زیادہ شوق رکھتے تھے کہ دن و رات کا بہت بڑا حصہ نماز و تلاوت اور اپنے پروردگار سے مناجات میں صرف کرتے تھے تو دوسری طرف بندگانِ خدا خصوصًا صاحبانِ ایمان سے اِس قدر خندہ پیشانی سے ملاقات فرماتے کہ اسلامی پاکیزہ اخلاق کا جیتا جاگتا نمونہ نظر آتے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ سنہ ۱۹۶۸ء اور سنہ ۱۹۷۵ء کے درمیانی عرصے میں جب امیر المومنینؑ کے جوارِ مقدس میں نجفِ اشرف کی سرزمین پر زندگی گذارنے اور اُس وقت کے مجتہدینِ مراجعِ تقلید سے فیض حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی جہاں کہ کربلائے معلّٰی کا فاصلہ صرف ۸۰ کیلو میٹر ہے، اور تقریبًا ہر شبِ جمعہ نجفِ اشرف کے سیکڑوں ــ اور بعض اوقات ہزاروں طلبہ، سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کے لیے کربلائے معلّٰی پہونچنے کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ تو جب بھی سرکار سید الشہداء کے روضۂ اقدس کی زیارت کے بعد طلّاب کرام نے سرکار شریعتمدار مولانا سید حسن صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ کے درِ دولت پر حاضری دی،

مرحوم اپنی اُس عظیم الشان علمی وجاہت اور عظمت کے باوجود مجھ جیسے ناچیز اور کمترین طالب علموں سے بھی انتہائی محبت و شفقت کے ساتھ نہایت خندہ پیشانی سے ملاقات فرماتے، ایک ایک شخص کی فرداً فرداً خیر و عافیت دریافت کرتے؛ نجفِ اشرف کے علمائے کرام، طلبہ، مدارس، دروس اور حالات کے بارے میں دریافت فرماتے رہتے، اور نشست چاہے کسی قدر طویل ہو جاتی، آپ حُسنِ اخلاق کا مجسّمہ نظر آتے۔

"خدا رحمت کُند ایں عاشقانِ پاک طینت را"

مہمان نوازی

اسی کے ساتھ مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ اگر ہم لوگ کسی ایسے وقت حاضر ہوئے جب آپ کے فرزندان گھر کے اندر موجود نہ ہوں تو طلاب و مومنین کی آمد پر خود ہی دروازہ کھولتے سب لوگوں کو نشست گاہ میں بٹھاتے ان کی مزاج پُرسی فرماتے اور پھر اندرونِ خانہ تشریف لے جا کر موسم کی مناسبت سے چائے یا شربت لا کر اپنے دستِ مبارک سے تمام مہمانوں کی

تواضع فرماتے، اور طلاب کرام کو آپ کی مہمان نوازی کا یہ انداز دیکھ کر حضرات ائمۂ طاہرین علیہم السّلام کی مہمان نوازی یاد آجاتی، خصوصاً چوتھے امام حضرت زین العابدین علیہ السّلام، جن کا پورا خاندان، اُن کے سامنے بھوکا پیاسا قتل کردیا گیا تھا، مگر اس کے بعد مدینہ منورہ میں امامؑ کا یہ دستور رہا کہ جب بیت الشرف میں کوئی مہمان آتا تو خود اپنے ہاتھوں اُس کی مہمان نوازی کا بندوبست فرماتے اور جب کھانے کا وقت آتا تو اپنے دستِ مبارک میں آفتابہ لے کر آنے والے مہمانوں کے ہاتھ بھی دُھلاتے اور دنیا والوں کو اس بات کا عملی درس دیتے کہ:

"مہمان کی خاطر مدارات بھی ایک اہم اسلامی فریضہ ہے"۔

ہمارے علمائے کرام کی خصوصیت ائمۂ طاہرین علیہم السّلام نے یہی بیان فرمائی ہے کہ:

"تمھیں اُن کی زندگی میں ہماری سیرت کی جھلک نظر آئے گی"

یہ بات جہاں عبادت و ریاضت میں نظر آئے گی وہاں سیرت و کردار کے دوسرے پہلوؤں میں بھی، تاکہ ان صفات و خصوصیات کو دیکھ کر دوسرے بندگانِ خدا کے اندر اِن صفاتِ حمیدہ

کا شوق بھی پیدا ہو اور وہ یہ بھی سمجھ سکیں کہ علومِ اہلِ بیتؑ کے صحیح ورثہ دار اور تعلیمات اسلامی کے آئینہ دار کون لوگ ہیں۔ کیونکہ دعوائے محبت کو پرکھنے کی اصل کسوٹی تو انقیاد و اطاعت ہے۔ اگر ہم یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ ائمۂ طاہرینؑ کا سب سے زیادہ محبوب کون شخص ہو سکتا ہے ؟۔ تو ہم اس بات کا جائزہ لے لیں کہ اُن کے فرامین کی سب سے زیادہ پاسداری کون کر رہا ہے ؟

جُود و سَخا

مشہور ہے کہ :

امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے سامنے کسی نے یہ بات عرض کی کہ :

حاتم نے اپنی داد و دہش کے لیے ۴۰ دروازے بنوائے تھے اور فقراء و مساکین ایک ایک دروازے پر جاتے اور اُنھیں حاتم کی طرف سے کچھ نہ کچھ دیا جاتا ، ایسا نہیں ہوتا تھا کہ ایک دروازے سے دینے کے بعد جب وہی فقیر دوسرے دروازے پر جائے تو اُسے کچھ دینے سے انکار کر دیا جائے ، بلکہ

وہ ہر دروازے پر جاتا تھا یہاں تک کہ چالیس دروازوں سے صدقات و خیرات وصول کر کے اپنے گھر جاتا تھا۔

جب امیرالمومنینؑ نے یہ بات سنی تو ارشاد فرمایا کہ:

"وہ ایک ہی دروازے سے (فقیر کو) اتنا کیوں نہیں دے دیتا تھا کہ اُسے دوسرے دروازے پر جانے کی ضرورت ہی نہ پیش آتی؟"

اور تاریخ نے حضرات آئمہ طاہرین علیہم السّلام کے اندازِ سخاوت کی جو مثالیں اپنے دامن میں محفوظ کر رکھی ہیں وہ اِسی طرزِ فکر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ غریب کو اتنا دے دیا جائے کہ اُس کی حاجت پوری ہو جائے اور پھر اُسے دوبارہ کسی سے کچھ مانگنے کی ضرورت نہ پیش آئے۔

حضرت سیّد الشہدا امام حسین علیہ السّلام کے حیاتِ طیبہ میں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ ایک دفعہ کسی سائل کو آپؑ نے بہت زیادہ مال عطا فرمایا، دیکھنے والوں نے عرض کیا کہ: مولا اُس نے تو مختصر سوال کیا تھا، آپؑ نے اُسے اسقدر عطا فرمایا۔؟

تو آپؑ نے ارشاد فرمایا کہ: (تم لوگوں نے اِس بات پہ

غور نہیں کیا کہ) اُس شخص نے دستِ سوال پھیلا کر اپنی آبرو خرچ کی (جو نہایت بیش قیمت چیز ہے) جبکہ میں نے اس کے مقابلے میں صرف مال خرچ کیا (جو آبرو کے مقابلے میں نہایت کم قیمت چیز ہے) (پھر تم کیسے کہتے ہو کہ میں نے بہت زیادہ دے دیا) -؟ [۱]

اسی طرح ہمارے تمام اُئمّہ طاہرین علیہم السّلام نے ہر دور میں جو ہدایات دی ہیں اور جو عملی نمونے پیش کیے ہیں اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان خاصانِ خدا نے جود و سخا کو کس درجہ اہمیت دی ہے اور بندگانِ خدا کی ضروریات پر آپ حضرات کی کتنی گہری نظر رہا کرتی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے علمائے کرام اور مجتہدین عظام جنہیں حضرات اُئمّہ معصومین علیہم السّلام کی نیابت کا شرف بھی حاصل ہے اور جو اس عہدِ غیبت میں اُنؑ کی مقدس تعلیمات کی حفاظت اور نشر و اشاعت پر مامور ہیں۔ ان کی پوری کوشش یہ رہتی ہے کہ اپنی زندگی کو اُن صفاتِ حمیدہ کا آئینہ دار بنائیں جنہیں حضرات اُئمّہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین نے انسانیت کا جوہر قرار دیا ہے

---

[۱] : نقل بالمعنی ملخصاً۔

قبلہ و کعبہ مولانا سید حسن صاحب طاب ثراہ کی بارگاہ
میں شرفِ نیاز حاصل کرنے والے حضرات اس حقیقت سے
اچھی طرح باخبر ہیں کہ جناب مرحوم دیگر صفاتِ حمیدہ کے ساتھ
ساتھ اس صفت میں بھی اپنے آبا، و اجداد کی سیرتِ طیبہ کے
امانتدار تھے۔ طلاب کرام یا زائرین ذوی الاحترام میں سے جب
بھی کوئی شخص اپنی کوئی حاجت لے کر حاضر ہوا، درِ دولت سے
محروم واپس نہ ہوا۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ ایک حاجتمند آپ کی
خدمت میں حاضر ہوتا لیکن نشست گاہ میں متعدد حضرات موجود
ہوتے جن کے سامنے وہ اپنی حاجت کے اظہار سے قاصر ہوتا
تو جنابِ مرحوم کی نگاہِ بصیرت اس بات کا اندازہ کرلیتی تھی کہ
یہ شخص کچھ کہنا تو چاہ رہا ہے مگر کہہ نہیں پا رہا ہے —— تو
آپ اُسے اپنے پاس ہی بٹھالیتے تاکہ لوگوں کے جانے کے بعد
وہ ضرورتمند خلوت میں اظہارِ مدعا کر سکے۔

اور جب وہ اپنی حاجت بیان کرتا تو جناب مرحوم پوری
توجہ سے اُس کی بات سننے کے بعد اندرونِ خانہ تشریف لیجاتے
اور جو کچھ امکان میں ہوتا اُسے لاکر اُس حاجتمند کے سپرد کردیتے،

دور و قریب ہر ایک کے ساتھ آپ کا کریمانہ سلوک ہوتا۔

—— ۷۶ ——

تواضع اور سادگی

پروردگارِ عالم نے آپ کو خاندانی، سماجی، قومی مذہبی، دینی و دنیاوی ہر لحاظ سے نہایت اعلیٰ مرتبے پر فائز کیا تھا لیکن جیسا کہ حضرات ائمۂ معصومین علیہم السّلام سے منقول دعاؤں میں یہ مضمون ملتا ہے کہ:

"پالنے والے مجھے جس قدر تیری بارگاہ میں تقرّب حاصل ہو اسی قدر میرے اندر بندگانِ خدا کے لیے تواضع و انکساری کے ابواب کو کشادہ فرما"

جنابِ مرحوم کی زندگی تواضع اور انکساری اور سادگی و درویشی کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی۔ ملاقات کے لیے آنے والا چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو یا غریب، عالم ہو یا جاہل، صاحبِ ثروت ہو یا تنگدست، اپنا ہو یا غیر، ہموطن ہو یا اجنبی۔۔ ہر ایک سے نہایت تواضع اور انکساری کے ساتھ پیش آتے۔

برِّصغیر کے وہ طلبہ جو کربلائے معلّیٰ اور نجفِ اشرف میں

زندگی گذار رہے تھے اُن میں بکثرت ایسے تھے جو آپ کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد تھے لیکن اُن سے بھی آپ اُسی خُلقِ حَسَن سے ملتے جو آپ کی زندگی کا طُرّہ امتیاز تھا۔

حرمِ مقدس میں بھی تشریف لے جاتے تو کسی گوشے میں درویشانہ انداز سے بیٹھ کر ذکر و فکر اور تلاوت و مناجات میں مصروف ہو جاتے ــــ لیکن اگر دعا و مناجات کے دوران بھی کوئی شخص کسی دینی مسئلے کے بارے میں کوئی بات پوچھنا چاہتا تو نہایت وضاحت سے اُس کا جواب دیتے۔

کربلائے معلّیٰ اور نجفِ اشرف، یہ دونوں ہی شہر دنیا بھر کے صاحبانِ ایمان کے لیے عظیم الشّان اور اہم ترین زیارت گاہیں بھی ہیں اور قدیم ترین علمی مراکز بھی، اور عراقی حکومت کے وحشیانہ جرائم سے قبل، حالت یہ تھی کہ ان دونوں شہروں کے یہ مقدس مقامات ہر وقت زائرین سے چھلکتے بھی رہتے تھے اور جب بھی کوئی زائر حرمِ مقدس میں داخل ہوتا، وہ حرمِ مطہر کے اندر متعدد علمائے کرام سے ملاقات بھی کر سکتا تھا۔ چنانچہ اکثر عرب و غیرِ عرب زائرین، جب حرمِ مطہر کے اندر کسی عالمِ دین سے ملاقات کرتے، تو زیارت سے فارغ ہو کر اُن سے دینی مسائل

بھی دریافت کرتے تھے۔

جنابِ مرحوم کا عالم یہ تھا کہ حرمِ مطہر کے اندر بھی جب کوئی شخص آپ سے کوئی بات پوچھنا چاہتا تو اُس سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے، اپنے مُصلّے کے نزدیک اُسے بٹھاتے پورے انہماک سے اُس کی بات سنتے اور وضاحت کے ساتھ اُسے جواب دیتے۔ اسی طرح اگر آپ حرمِ مقدس سے واپس آرہے ہوں یا حرمِ مُطہّر کی طرف جا رہے ہوں اور راستے میں کوئی شخص آپ سے مسئلہ دریافت کرنا چاہے، تو اگرچہ عرفِ عام میں یہ بات آداب کے خلاف سمجھی جاتی ہے کہ عالمِ دین سے راستہ چلتے ہوئے، مسئلہ دریافت کیا جائے، لیکن آپ نے کبھی ناگواری محسوس نہیں کی، بلکہ اُسی تواضع وانکساری کے ساتھ، جو آپ کی طبیعتِ ثانیہ تھی، اُس سوال کرنے والے کی بات سنتے اور اُسے تشفی بخش جواب دیتے اور عملاً اپنے شاگردوں کو یہ درس دیتے کہ:

فریضۂ ارشاد وتبلیغ جس حالت میں بھی ادا کرنے کا موقع ملے اُسے زندگی کی سعادت سمجھیں۔

صبر و شکیبائی

پروردگارِ عالم نے قرآن مجید میں صاحبانِ ایمان کو خبر دی ہے کہ :

" وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۔ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ .... "

(اور یقیناً ہم، تم لوگوں کا کچھ خوف، کچھ بھوک، مال کی کمی، جان کے (تلف ہونے) اور میووں (کی کمی) سے امتحان لیں گے، اور صبر کرنے والوں کو، جن پر جب بھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ کے لیے ہیں اور بیشک اُسی کی طرف ہمیں واپس جانا ہے، بشارت دے دیجیے کہ اُن پر اُن کے پروردگار کی جانب سے درود و سلام بھی ہے اور رحمت بھی ...)

جنابِ مرحوم ۱۹۵۱ء سے ۱۹۹۱ء تک کربلائے معلیٰ میں جو زندگی گذاری وہ یوں تو عراق کے ناگفتہ بہ حالات کی وجہ سے ہمیشہ ہی آزمائش و امتحان سے پُر رہی لیکن آپ کو اپنے دو جلیل القدر فرزندوں کا غم، عین اُن کے عالمِ شباب میں برداشت کرنا پڑا۔ پہلے آپ کے سب سے بڑے فرزند جناب مولانا سیّد محمد مہدی صاحب جنھوں نے عین عنفوانِ شباب میں انتقال فرمایا، اور پھر آپ کے سب سے چھوٹے فرزند کربلائے معلّیٰ کی ہزاروں مجلسوں کی زینت حجۃ الاسلام مولانا سیّد سلمان صاحب اعلی اللہ مقامہ جنھوں نے عین عالمِ شباب میں ۱۹۸۶ء میں کربلائے معلّیٰ ہی میں رحلت فرمائی۔

فرزند کا عالمِ شباب میں دنیا سے رخصت ہونا کوئی ضعیف باپ کے دل سے پوچھے، لیکن آپ نے ان تمام مصائب و آلام کو کمالِ صبر و شکیبائی سے برداشت کیا، ہر موقع پر آپ کی زبانِ مبارک پر یہی جملہ رہتا کہ:

"رِضًا بِقَضَائِہٖ وَ تَسْلِیْمًا لِاَمْرِہٖ"

اور گویا آپ زبانِ حال سے حضرت خامسِ آلِ عبا سیّد الشہداء امام حسین علیہ السّلام سے عرض کر رہے تھے کہ:

میرے آقا ! میرے مولا ! اے جوانانِ جنّت کے سردار ! اور اے لختِ دلِ زہراءؑ ! آپ نے اسی کربلائے معلّیٰ کی سرزمین پر اپنے دو نازنین فرزندوں کا لاشہ اُٹھایا تھا۔ مولا ! آپ کے دونوں شہزادے تو کائنات کی وہ عظیم المرتبت شخصیتیں ہیں کہ دنیا کے کسی فرزند سے اُن کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن مولا ! میں یہ تو دست بستہ عرض کر ہی سکتا ہوں کہ آپ کے جوارِ مقدّس میں دفن ہونے کی سعادت حاصل کرنے سے پہلے میں نے بھی اپنے دو نونہالوں کا غم اُٹھایا ہے، مولا ! ان دونوں کو اپنے فرزندوں کے پہلو میں جگہ دے کر ان کی توقیر میں اضافہ فرمائیے۔

وفات حسرت آیات

ابتدائی صفحات پر یہ بات گذر چکی ہے کہ آپ کے آباء و اجداد کو کربلائے معلّیٰ کی سرزمین اور جوارِ حضرت سید الشہداء علیہ السّلام سے ایسا والہانہ عشق تھا کہ آپ کے جدِ بزرگوار بھی اپنی رحلت سے چند ماہ قبل کسی قدرتی

کشش کے طور پر اس قصد سے کربلائے معلیٰ پہونچے کہ اب زندگی کے آخری ایام یہیں بسر کرنے ہیں، اور کے والد علام بھی اپنے انتقال سے چند مہینے پہلے اِس ارادے سے کربلائے معلیٰ تشریف لائے کہ اب یہیں رہنا ہے، اور دونوں ہی حضرات کربلائے معلیٰ پہونچنے کے چند ماہ بعد ہی اِس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔

گویا ان دونوں مقدس ہستیوں کو کسی اَن دیکھے اشارے نے انتقال سے چند ماہ قبل اُس مقدس سرزمین تک پہونچا دیا جہاں دفن ہونے کی تمنّا عرصۂ دراز سے میں رکھتے تھے۔

———— ۷ ————

حضرت آیت اللہ سید حسن صاحب اعلی اللہ مقامہٗ کے دل میں بھی اپنے آباء واجداد کی طرح کربلائے معلیٰ اور جوارِ حضرت سید الشہداء ع کی محبت رچی بسی ہوئی تھی، چنانچہ ۱۹۵۱ء میں جب آپ لکھنؤ سے کربلائے معلیٰ کے لیے روانہ ہوئے ہیں تو دل میں یہی تمنّا تھی کہ اب ساری زندگی اِسی مقدس سرزمین پر بسر کرنی ہے اور اسی جگہ داعی اجل کو لبیک کہنا ہے۔ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۹۱ء تک کے طویل عرصے میں

عراق متعدد طوفانوں سے گذرا ۔ ۱۹۵۸ء میں عبدالکریم قاسم کے انقلاب نے گذشتہ شاہی نظام کو تاراج کیا، پھر ۱۹۶۲ء میں عبدالکریم قاسم کا تختہ اُلٹ دیا گیا، لیکن یہ نیا انقلاب بھی ۱۹۶۶ء میں زمیں بوس ہوگیا، زمامِ اقتدار نئے لوگوں کے ہاتھوں میں آئی ۔ ملک کے حالات بھی بدلے اور حکمرانوں کے مزاج بھی، لیکن ابھی اِس ملک کے باشندوں کو ایک سخت امتحان و آزمائش کے دور سے گذرنا تھا چنانچہ ۱۹۶۸ء میں بعثی انقلاب آیا جس کی خونریزیاں ابھی تک جاری ہیں ۔

جب بھی حالات تبدیل ہوتے، مومنین کا شیرازہ بکھرتا، اور لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر گذارش کرتے کہ سرکار! اِن پُرآشوب حالات میں آپ یہاں کیسے رہیں گے ؟

لیکن آپ کا جواب یہی ہوتا تھا کہ حضرت سیّدالشہداء کے جوارِ مقدس کو چھوڑ کر کہاں جاؤں ؟

چنانچہ چالیس برس کا یہ طویل عرصہ جو نہایت اندوہناک سانحوں سے بھرا ہوا ہے جن کو قلمبند کرنے کے لیے ایک مستقل

کتاب کی ضرورت ہے۔ ۱؎

اِس پورے عرصے میں حالات کی نامساعدت اور زمانے کی نیرنگیوں کے باوجود روضۂ مظلومِ کربلا کی الفت اور سرزمینِ نینوی کی محبت کی بِنا، پر آپ کسی طرح اِس شہر کو چھوڑ کر کہیں جانے پر آمادہ نہیں ہوئے، یہاں تک کہ سنہ ۱۹۹۱ء میں اسی مقدس سرزمین پر آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہی۔

"اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ"

———— ۶ ————

جس سرزمین کو آپ نے مستقل سکونت کیلئے اپنا لیا تھا، وہی آپکی ابدی آرام گاہ بن گئی اور سید الشہداء کا وہ جلالِ مقدس جس کی کشش آپ کو چالیس سال قبل اپنے وطن مالوف سے کھینچ لائی تھی وہیں آپ کا جسد خاکی سپردِ لحد کر دیا گیا۔

اُس موقع پر آپکے فرزندوں میں سے صرف حجۃ الاسلام مولانا سید حید مہدی صاحب (عرف آغا جون صاحب) مدظلہ العالی وہاں موجود تھے، اُن ہی نے تجہیز و تکفین کے فرائض انجام دینے کے بعد اِس منارۂ علم و تقوی کو اُنکے آباء و اجداد کے قریب ہی سپردِ لحد فرمایا، اور علم و دانش کی دنیا سے یہ دعا ہوتی رہی کہ: ؏ "آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے"۔

۱؎ اس موضوع سے شغف رکھنے والے حضرات میری کتاب "خاندانِ حکیم کے مصائب" ملاحظہ فرمائیں

اولادِ امجاد

قرآن مجید میں خالقِ دو جہاں کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

"اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۚ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ..."[1]

اِس آیت میں اولاد، خصوصاً فرزندوں کو دنیاوی زندگی کی زیب و زینت قرار دیا گیا ہے۔ اور پروردگارِ عالم نے سرکار آیت اللہ سید حسن صاحب اعلی اللہ مقامہٗ کو ۴ فرزندوں سے سرفراز فرمایا:

(۱) حجۃ الاسلام مولانا سید محمد مہدی صاحب (صدر الافاضل فاضل ادب لکھنؤ یونیورسٹی) (متولد سنہ ۱۹۲۶ء)

(۲) آیت اللہ مولانا سید ابنِ حسن صاحب دام مجدہٗ (متولد سنہ ۱۹۳۰ء)

(۳) آیت اللہ مولانا سید حیدر مہدی (عرف آغا جون صاحب قبلہ) (متولد سنہ ۱۹۳۴ء)

(۴) حجۃ الاسلام مولانا سید سلیمان صاحب (متولد سنہ ۱۹۳۸ء)

---

[1] مال اور فرزند دنیاوی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے پروردگار کے نزدیک بلحاظِ انجام و اُمید بہترین ہیں۔"

اِن میں سے سب سے بڑے اور سب سے چھوٹے
فرزند اِس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف سرکار مرحوم
کی زندگی میں ہی رحلت فرما گئے، مولانا سیّد محمد مہدی صاحب
نے عنفوانِ شباب میں رحلت فرمائی اور حجۃ الاسلام مولانا
سیّد سلیمان صاحب طاب ثراہ جو کربلائے معلیٰ کی ہزاروں مجلسوں
کی زینت تھے، جن کے حُسنِ اخلاق، علم و عمل، تقویٰ و پرہیزگاری
تدبّر و فراست اور زُہد و عبادت کا اعتراف نہ صرف شہر کا
بچہ بچہ کرتا تھا بلکہ دنیا بھر کے وہ طُلّاب کرام اور صاحبانِ علم
جنھوں نے ایک بار بھی کربلائے معلیٰ میں سرکار مرحوم کے درِ دولت
پر حاضری دی ہو اور حجۃ الاسلام مولانا سیّد سلیمان صاحب مرحوم
سے ملاقات کی ہو، وہ دل کی انتھاہ گہرائیوں میں اُن کے لیے
عزّت و احترام رکھتے ہیں۔ افسوس صد افسوس ۱۹۸۶ء میں
عین عالمِ شباب میں آپ نے رحلت فرمائی اور بوڑھے باپ
کو اپنے ایک اور جوان فرزند کا لاشہ یہ کہتے ہوئے اُٹھانا پڑا۔ کہ:

"رِضًا بِقَضَآئِہٖ وَ تَسْلِیْمًا لِاَمْرِہٖ"

البتہ سرکار مرحوم کے دو فرزندانِ گرامی مرتبت اِس وقت

فلکِ علم و فقاہت کے درخشندہ ستاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں، یعنی :

سرکار آیت اللہ سید ابنِ حسن رضوی صاحبِ دام مجدہ العالی جو گذشتہ بیس پچیس برس سے خوجہ شیعہ اثنا عشری جامع مسجد (کھارادر کراچی) میں امامِ جمعہ و جماعت کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور جن کے زہد و تقویٰ، علم و اجتہاد، تفقہ و بصیرت، عبادت و ریاضت اور سیرت و کردار پر پورے اہلِ شہر کو ناز ہے۔

آپ کی ذاتِ والا صفات تقریباً چوتھائی صدی سے اِس طرح لوگوں کے لیے مرکزِ رُشد و ہدایت بنی ہوئی ہے کہ رویتِ ہلال سے لے کر تمام قومی، سماجی اور دینی و مذہبی اُمور کے سلسلے میں آپ کے فرمانِ عالی شان پر لاکھوں شیعیانِ حیدرِ کرار "سمعاً و طاعۃً" کی تصویر نظر آتے ہیں۔

آپ نے "جمع بین الصلٰوتین" کے اہم موضوع پر اُردو زبان میں ایک انتہائی گرانقدر تالیف پیش کر کے مخالفین کے تمام اعتراضات کا قلع قمع فرما دیا، اِسی طرح آپ کی متعدد نگارشات نے قوم و ملت سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔

لیکن آپ کی سب سے گرانقدر قلمی خدمت عربی زبان کی وہ عظیم الشان تفسیر ہے جو تقریباً تین سال قبل چھپنا شروع ہوئی، اب تک اُس کی ایک جلد منظرِ عام پر آکر صاحبانِ علم و دانش سے نہایت عظیم الشان پیمانے پر خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہے، اور صرف برِ صغیر ہندوستان و پاکستان ہی نہیں بلکہ ایران، عراق، شام، لبنان اور دیگر عرب ممالک کے اہلِ علم اور صاحبِ فکر و نظر نے بھی اس تفسیر کو نہایت شاندار الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

پروردگارِ عالم سرکار موصوف کو تندرستی کے ساتھ طولِ حیات عطا فرمائے۔ تاکہ یہ علمی تفسیر بھی شاندار طریقے سے منظرِ عام پر آئے اور قوم و ملت کے افراد تا دیر آپ کے وجود ذی جود سے کسبِ فیض بھی کرتے رہیں۔

آپ کے چھوٹے بھائی جناب حجۃ الاسلام آیۃ اللہ سید حیدر مہدی صاحب قبلہ مدظلہ العالی جو اپنے آباء و اجداد کی سیرتِ طیبہ کے آئینہ دار اور ایک جیّد و مستند عالمِ دین ہیں، کربلائے معلی کی مقدس سرزمین پر اقامت پذیر ہیں اور

زمانے کی بدترین چیرہ دستیوں کے باوجود، جس حد تک ممکن ہو، دینی خدمات انجام دینے میں مصروف ہیں، پروردگارِ عالم آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے، کربلائے معلیٰ کی سرزمین پر اہلِ ایمان کی خدمت اور خصوصاً برِّ صغیر کے زائرین اور اُردو داں حضرات کی دینی رہنمائی کا جو فریضہ اپنے آباء و اجداد کی وراثت میں آپ کو ملا ہے، اُسے ادا کرنے کے بھرپور مواقع حاصل رہیں اور وہ وقت جلد آئے جب نجفِ اشرف اور کربلائے معلیٰ کی دینی و مذہبی رونقیں بحال ہو جائیں، اور ان دونوں مقدس شہروں میں ماضی کی طرح ایک بار پھر طلّابِ دین اور علمائے کرام و مجتہدین عظّام کی چہل پہل نظر آنے لگے۔ "آمین یارب العالمین بحقِ طٰہٰ و آلِ یٰسٓ"

آپ کی گرانقدر تالیف "رسالۃ الاربعین فی فضائل امیر المومنینؑ" اُردو زبان میں چھپ کر منظرِ عام پر آچکی ہے۔

۱۔ جناب حجۃ الاسلام آیۃ اللہ سید حمید مہدی ۱۰ نومبر ۹۲ء مطابق ۱۴ جمادی الاول ۱۴۱۳ھ کو کراچی میں طویل علالت کے بعد وفات پا گئے انا للہ وانا الیہ راجعونؑ جملہ مومنین سے سورہ فاتحہ کی گذارش ہے۔

آپ کے اساتذہ

(۱) آیۃ اللہ العظمیٰ الشیخ مرزا حسین نائینی
(۲) " " " آقائے مرزا ابوالحسن مشکینی
(۳) " " " آقائے الشیخ عبدالحسین رشتی
(۴) " " " آقائے ضیاء الدین عراقی

آپ کی تصانیف

(۱) شرح ریاض عربی غیر مطبوع
(۲) شرح عروۃ الوثقیٰ " " "
(۳) شرح کفایۃ الاصول " " "
(۴) لئالی البحرین " " "
(۵) شرح المکاسب " " "

آپ کے تلامذہ

آپ کے شاگردوں کی فہرست طویل ہے بعض مشہور شاگردوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے :

(۱) آقائے السید ابوالفضل (ایران)

(۲) آقائے شیخ محمد رضا اصفہانی (")

(۳) آقائے السید صادق الحکیم ابن علامہ (کربلا)

(۴) آقائے السید راضی (")

(۵) آقائے شیخ محمد شندر (")

(۶) آقائے السید محمد خرسان (")

(۷) آقائے سید محمد علی (")

(۸) آقائے شیخ عبدالرضا صافی (")

(۹) آقائے شیخ ابراہیم (پاکستان)

(۱۰) حجۃ الاسلام مولانا سید محسن نواب صاحب مجتہد (لکھنؤ)

(۱۱) " " مولانا سید ظفر الحسن صاحب مجتہد (بنارس)

(۱۲) ڈاکٹر مولانا سید بدر الحسن صاحب (علیگڈھ یونیورسٹی)

(۱۳) ڈاکٹر مولانا سید شبیہ الحسن صاحب (لکھنؤ یونیورسٹی)

(۱۴) ڈاکٹر حسین محمد جعفری صاحب (کراچی یونیورسٹی)

(۱۵) مولانا سلمان عباس صاحب (دہلی یونیورسٹی)

(۱۶) مولانا سید علی صاحب صدر الافاضل ابن مولانا عالم حسین صاحب (مرحوم)

(۱۷) مولانا راحت حسین صاحب جلالوی صدر الافاضل

(۱۸) مولانا سید مبارک حسین صاحب صدر الافاضل

(۱۹) مولانا سید کاظم حسین صاحب صدر الافاضل

(۲۰) مولانا شیخ رضوان صاحب (مبلّغ۔ افریقہ)

(۲۱) مولانا سید محمد عباس صاحب (مبلّغ۔ افریقہ)

(۲۲) حجۃ الاسلام مولانا سید کلب عابد صاحب مجتہد

(۲۳) حجۃ الاسلام مولانا سید محمد صالح صاحب مجتہد

(۲۴) حجۃ الاسلام مولانا مرزا محمد عباس صاحب مجتہد

(۲۵) مولانا سید علی صاحب صدر الافاضل گوپال پوری

(۲۶) مولانا سید محسن صاحب صدر الافاضل ،،

(۲۷) مولانا سید نور اللہ صاحب صدر الافاضل ،،

(۲۸) مولانا خلیل عباس صاحب صدر الافاضل (مبلغ افریقہ)

(۲۹) مولانا وزیر حسن صاحب ۔ مبلغ مدرسۃ الواعظین ۔

(۳۰) مولانا سید محمد باقر صاحب صدر الافاضل (مدیر اصلاح کھجوا)

(۳۱) مولانا نجم الحسن کراروی صاحب (پشاور)

(۳۲) مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی (لاہور)

(۳۳) مولانا جواد الاصغر صاحب صدر الافاضل (کراچی)

(۳۴) مولانا مطیع الحسنین صاحب صدر الافاضل (پنجاب)

(۳۵) مولانا شریف صاحب (مرحوم) (پنجاب)

(۳۶) مولانا غفور صاحب (〃)

(۳۷) مولانا سید اخلاق مہدی صاحب (زید پوری)

اجازات اجتہاد

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي شيّد أركان دينه القويم بوجود العلماء وجعلهم ورثة الأنبياء وفضّل مدادهم على دماء الشهداء

والصلاة والسلام على صاحب الشريعة الغرّاء ومبيّن الملّة البيضاء شمس فلك الاصطفاء محمد وآله الأمجاد على

الأزكياء الأتقياء سيّما عمّه ووصيّه وخليفته على أمّته أمير المؤمنين سيد الأوصياء ما دامت الشمس طالعة والبدر

في سعد النجوم ولعنة الله على أعدائهم إلى يوم القيمة وبعد فإنّ من أعظم نعم الله سبحانه على العباد بعد النبي

والوصيّ وجود العلماء الراشدين الذين هم منار الهداية وبهم حفظ الشريعة النبوية من الاندراس ولولاهم لصارت الطريقة

المرضية من الانطماس [illegible] في هذه الأزمنة أسود الدين [illegible] بتسهيل مسالك الطالبين وممّن اقتفى آثارهم العالم الكامل والفاضل

صاحب المجد [illegible] والنظر الثاقب [illegible] الأعلام [illegible] الفضلاء [illegible] السيد محمد حسن الحسيني ابن

[illegible] السيد [illegible] الحسيني [illegible] أدام الله تأييده [illegible]

من [illegible] الأقران [illegible] الأصحاب طلبا للتفقه والتكميل واشتغالا

[illegible] في [illegible] الرسول [illegible] بركات [illegible] المشايخ

[illegible] في [illegible] حتى بلغ رتبة الاجتهاد معروفا بالصلاح والسداد

[illegible] الكتب الأربعة [illegible]

من [illegible] المشايخ العظام [illegible] المنتهية إلى [illegible]

والسلام [illegible] سبيل النجاة [illegible]

[illegible] حسن [illegible]

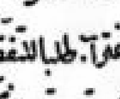
[illegible]

[illegible]

[illegible]

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي شيّد اركان دينه القويم بوجود العلماء، وجعلهم ورثة الانبياء، وفضّل
مدادهم على دماء الشهداء، والصلوة والسلام على سيد البرية الغرّاء، ورئيس الملة البيضاء اشرف
ملك الاصفياء محمد خاتم الانبياء وعلى آله الازكياء الاتقياء سيما ابن عمه ووصيه وخليفته
على امته امير المؤمنين سيد الاوصياء ما دامت الشمس طالعة والبدر لامعة والنجوم طالعة ولعنة الله على
اعدائهم الى يوم القيمة وبعد فان من اعظم نعم الله على العباد بعد النبي والوصي وجود العلماء الذين
هم في الحقيقة ورثتهم بهم حفظت الشريعة الغراء النبوية عن الاندراس وبقيت الطريقة المرتضوية عن الانطماس
وبهم يدفع فساد المفسدين عن الدين ومن قبائهم يبطل تشكيك المشككين وممن وفق لذلك جناب العالم الكامل والفاضل الباذل
صاحب الحسب الثاقب والنسب الثاقب عمدة العلماء الاعلام ثقة الفضلاء الكرام جناب السيد ... السيد محمد حسن الحسيني ابن
حجة الاسلام كهف الانام مروج الشريعة سليل الامام الحبر المعتمد السيد محمد هادي الحسيني ... ادام
فقد رفض عن وطنه وهاجر عن مسكنه وفارق الاقران والاقارب وتبعد عن الاعزاء طلبا للتفقه
والتكميل وامتثالا لامر الله الجليل واقام ... علي مشرفها ... وبلغ بلطفه تعالى رتبة
من الاجتهاد مقرونة بالصلاح والسداد فلله دره وعلى الله اجره وقد اجزت ان يروي
عني ما صحت لي روايته من الكتب الاربعة المباركة وغيرها من التفسير ومصنفات اصحابنا بحق اجازتي
من المشايخ العظام باسانيدهم المنتهية الى اهل بيت الوحي عليهم السلام واوصيه ان لا يترك
الاحتياط كما انه سبيل النجاة وان لا ينساني من صالح الدعاء حرره الاحقر ابو الحسن
المشكيني
قد كان ذلك في ٩ شهر ربيع الثاني في ١٣٥٣



اجازه اجتهاد از طرف
آيت الله العظمى ابو الحسن مشكينى ره

بسم الله الرحمن الرحیم

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]



اجازه اجتهاد از طرف
آیت الله العظمی ابراهیم رشتی نجفی

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين وافضل صلوته وازكى تحياته على اشرف انبيائه وافضل سفرائه محمد صلى الله عليه وآله الطاهرين وبعد فان العلم احسن عتاد واكرم مستفاد واقوى عياذ واوقى ملاذ به يعرف الله ويعبد ويطاع ويوحد رفع الله به اقواما فجعلهم في الخير قادة تقتص آثارهم ويقتدى بفعالهم فهم مصابيح مناهج السداد ومعالم الرشاد وان من هذه الروضة المرضية الخضرة الاطراف والدوحة البهية الزاهرة الاكناف العالم العامل الفاضل الباذل علم الاعلام مروج الاحكام الورع التقي المتقن السيد حسن الكشميري سلمه الله تعالى فانه نائي عن وطنه وبعد عن بلده وسكن للتفقه والتحصيل والتكميل واجتهد وكد وجد وتعب كل التعب حتى بلغ رتبة الاجتهاد فطوبى لمن راعى جانبه واعانه ونصره واحترمه وسمعه ثم انه استجاز مني تأسياً بالسلف فاجزته ان يروي عني جميع ما صحت لي روايته وجازت لي اجازته سيما الكتب الاربعة للمحمدين الثلثة اعني الكافي والفقيه والتهذيب والاستبصار واوصيه بملازمة الورع ومراعاة الاحتياط والتمس منه الدعاء في مواضع الاجابات في الثامن والعشرين من ربيع الثاني ١٣٥٣

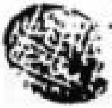
الاحقر عبد الحسين الرشتي الغروي

اجازه اجتهاد از طرف

آیت الله العظمی آقای عبد الحسین رشتی [illegible].

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رافع درجات العارفين الى ذروة العلى ومفضل مداد العلماء على دماء الشهداء
والصلاة على اشرف الانبياء وآله النجباء وبعد فان العالم العامل الذكي الفاضل الكامل ضياء
الفرقة الهادية والعصابة الناجية عماد العلماء الاعلام سناد الفقهاء الكرام الشيخ محمد حسين
ابن حجة الاسلام قد صرف شطراً من عمره الشريف في تحصيل العلوم وحضر [illegible] الفقهاء
الاصوليين السيد محمد هادي الرضوي [illegible] دام فضله وفي فقه في الاصول لتحصيل العلوم
الدينية وتنقيح مبانيها النظرية برهة من عمره وتشرف بعد ذلك بجوار مرقد سيد الاوصياء
امير المؤمنين صلوات الله وسلامه عليه من الاساطين الاعلام واجلة العظام وجد
وادأب حتى بلغ رتبة من الاجتهاد مقرونة بالصلاح والسداد زاده الله ورعاً وعلماً
احرزه وقد اجزت له ان يروي عني ما صحت روايته من الكتب الاربعة وغيرها من
التفسير ومصنفات اصحابنا بحق اجازتي من المشايخ العظام باسانيدهم المنتهية
الى أئمتنا الكرام صلوات الله وسلامه عليهم اجمعين من الان الى يوم الدين واوصيه
ان يراعي الاحتياط فانه سبيل النجاة وان لا ينساني من الدعوات في مظان الاجابة
ومواقع الاستجابة حرره الاحقر محمد الرسول الموسوي [illegible]



اجازه اجتهاد از طرف
آيت الله العظمى السيد محمد الرضوي (ره)



فقیہ عصر حضرت آیت اللہ العظمیٰ السید محمد حسن رضوی مجتہد
طاب ثراہ